بڑوں کی آپ بیتیاں

مائل خیرآبادی

ترتیب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرحلے

حضرت نوح علیہ السلام کی آپ بیتی

حضرت نوح علیہ السلام ایک جلیل القدر پیغمبر گزرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا تاکہ وہ اپنی قوم کو دردناک عذاب آنے سے پہلے آگاہ کر دیں۔ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا ''میں تم کو اس خطرے سے صاف صاف آگاہ کرنے والا ہوں، تم اس دردناک عذاب سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کی نافرمانی سے بچو، اور میرا کہا مانو، اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا، اور ایک خاص مدت (موت) تک تم کو عمل کی مہلت دے گا۔ جب وہ (موت) کا وقت آ جائے گا تو پھر ٹل نہیں سکتا۔ کاش کہ تم جانتے!''

حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو برس تک دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیا۔ اس طویل عرصے میں آنحضرتؑ جن مرحلوں سے گزرے وہ قرآن پاک میں بڑے بلیغ انداز میں بیان ہوئے ہیں جو آنحضرت علیہ السلام کی آپ بیتی ہی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنے رب کے حضور اپنی ساڑھے نوسو سالہ آپ بیتی اس طرح پیش کرتے ہیں:

''اے میرے رب! میں اپنی قوم کو رات دن تیری طرف بلاتا رہا، مگر میری دعوت سن کر وہ اور دور ہی بھاگتے گئے اور میں نے جب بھی ان کو دعوت دی، تاکہ تو ان کے گناہ معاف فرما دے، تو انھوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنے کپڑے اوڑھ کر لپیٹ لیے اور اپنی ضد پر اڑے رہے، اور غرور میں چور رہے۔ پھر میں نے ان کو کھل کر دعوت دی۔ میں نے انہیں کھلم کھلا اور علانیہ سمجھایا، اور بہت ہی پوشیدہ طور پر بھی نصیحت کی۔''

میں نے ان سے کہا: تم اپنے پروردگار سے بخشش طلب کرو، وہ تو بڑا ہی بخشنے والا ہے، وہ آسمان کو تم پر خوب خوب پانی برسانے دے گا۔ تم کو اور زیادہ مال اور بیٹے دے گا، تمہارے لیے بہت سے باغ اگا دے گا اور تمہارے لیے نہریں جاری کر دے گا، تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بڑائی کو نہیں مانتے، جب کہ اس نے تم کو طرح طرح سے بنایا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح تلے اوپر سات آسمان بنائے ہیں اور ان میں چاند کو پر نور بنایا اور سورج کو چراغ بنایا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک خاص طریقہ پر زمین سے پروان چڑھایا، پھر تم کو اس زمین میں لوٹا دے گا، اور پھر تم کو نکال کر باہر لے آئے گا، اور اللہ ہی نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا تاکہ تم اس کے چوڑے چوڑے راستوں پر چلو پھرو۔''

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

''اے میرے رب! ان لوگوں نے میرا کہنا نہ مانا۔ اور انھوں نے ایسے لوگوں کی پیروی کی جن کو ان کے مال اور اولاد سے اور کچھ نہیں بس نقصان ہی نقصان پہنچا، اور انھوں نے بڑی بڑی چالیں چلیں اور ان کی پیروی کرنے والوں سے کہا کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا، نہ ود کو چھوڑنا، نہ سواع کو، نہ یغوث، یعوق اور نسر ہی کو چھوڑنا، واقعہ یہ ہے کہ ان بروں نے بہتوں کو گمراہ کر دیا، اور بس اب ظالموں کو گمراہ ہونے ہی دے۔''

وہ لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے ہی غرق کیے گئے اور آگ میں داخل کر دیے گئے، پھر خدا کے سوا انھوں نے کسی کو اپنا مددگار بھی نہ پایا۔ نوح علیہ السلام نے فرمایا:

''اے میرے رب! زمین پر ان کافروں میں سے ایک باشندہ بھی باقی نہ چھوڑ۔ اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے، اور ان سے جو اولاد بھی ہوگی وہ بدکار اور نافرمان ہی ہوگی۔ اے میرے رب! مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو بھی مومن بن کر میرے گھر میں داخل ہو، اسے اور تمام ایمان والے مردوں اور عورتوں کو بخش دے اور ان ظالموں کو بس اب تباہ و برباد ہونے ہی دے۔''

حضرت نوح علیہ السلام کی اس عرض حال کے بعد ان کی قوم پر جو عذاب آیا وہ کسی سے چھپا نہیں۔ لیکن بہت کم لوگ ہیں جو نصیحت حاصل کرتے ہیں، یہی نصیحت حاصل کرنے والے وہ خوش نصیب ہیں جو ایمان کے ساتھ زندگی کے ہر مرحلے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

جرم اور دعا

ایک نبی کا حال

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک نبی کا حال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما رہے تھے، وہ منظر میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ (اسلام کی طرف) دعوت دینے کے ''جرم'' میں اس نبی کو قوم کے لوگوں نے اتنا مارا کہ لہولہان کر دیا اور اس نبی کا حال یہ تھا کہ وہ اپنے چہرے سے خون پونچھتے جاتے اور یہ کہتے جاتے:

> ''اے اللہ! میری قوم کے اس جرم کو معاف کر دے اس لیے کہ یہ لوگ ناواقف ہیں۔ اصل حقیقت کو نہیں جانتے۔'' (بخاری و مسلم)

نوٹ: علماء کا خیال ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''ایک نبی'' کے پیرائے میں اپنی آپ بیتی بیان فرمائی ہے، جو آپ پر طائف میں پیش آئی۔ (مرتب)

عقبہ کا دن[1]

نبی کریمؐ کی آپ بیتی

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ''کیا آپ پر کوئی ایسا دن گزرا ہے جو احد کے دن سے زیادہ سخت اور شدید رہا ہو۔'' آپؐ نے فرمایا: ''عائشہ! تمھاری قوم قریش سے مجھے بہت تکلیفیں پہنچیں اور سب سے زیادہ سخت دن جو مجھ پر گزرا، عقبہ کا دن تھا۔ جبکہ میں نے اپنے آپ کو عبد یالیل ابن عبد کلال کے سامنے پیش کیا، لیکن جو کچھ میں چاہتا تھا اس نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو میں پریشان حال اور فکر مند وہاں سے چلا، اور جب میں قرن الثعالب پہنچا تب ذرا غم ہلکا ہوا تو میں نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی، دیکھا کہ جبریلؑ ہیں۔ انھوں نے مجھے پکار کر کہا ''آپ کی قوم نے جو باتیں آپ سے کیں اور جس طرح انہوں نے آپ کی دعوت کا جواب دیا اسے اللہ تعالیٰ نے سن لیا اور آپ کے پاس اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے انتظام کرنے والے فرشتے کو بھیجا ہے، آپ جو چاہیں اسے حکم دیں۔ وہ حق کے نہ ماننے والوں کے سلسلے میں آپ کے حکم کو بجالائے گا۔''

پھر مجھے پہاڑوں کے فرشتے نے آواز دی، اس نے سلام کے بعد کہا: ''میں پہاڑوں کے انتظام پر مقرر ہوں، اور میرے رب نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے تا کہ آپ مجھے جو حکم دینا

---

[1] عقبہ کے دن سے مراد طائف کا دن ہے۔ طائف میں قریشی تاجر چمڑے کا کاروبار بڑے پیمانے پر کرتے تھے۔ طائف والے اور قریش آپس میں قریبی رشتہ دار تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ والوں سے مایوس ہو گئے تو آپؐ طائف تشریف لے گئے تھے کہ شاید حق کا بیج یہاں جڑ پکڑے، مگر ابن عبد یالیل نے غنڈوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔ ان غنڈوں نے پتھر مارے یہاں تک کہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

چاہیں دیں، تو جو کچھ آپ چاہتے ہیں بتائیے، اگر آپ چاہیں تو دونوں طرف کے پہاڑوں کو اس طرح ملا دوں کہ یہ لوگ پس کر رہ جائیں۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں! بلکہ میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ ان کی اولاد میں ایسے لوگ ہوں گے جو صرف اللہ کی بندگی کریں گے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔"

اسلام کے لیے

حضرت ابوذر غفاریؓ کی آپ بیتی

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور اور بڑے صحابہ میں سے ہیں۔ حضرت ابوذر غفاریؓ اس وقت ایمان لائے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر چار چھ بزرگ ہی مسلمان ہو چکے تھے، حضرت ابوذر غفاریؓ غفاری خاندان سے تھے، غفاری خاندان کے لوگ مکے سے کچھ فاصلے پر ایک نخلستان میں رہتے تھے، یہ نخلستان ٹھیک اس راستے پر تھا جہاں سے ہو کر اہل مکہ تجارت کے لیے آیا جایا کرتے تھے۔ غفاری خاندان کے لوگ مسلمان ہونے سے پہلے ڈاکہ زنی میں مشہور تھے، ابوذر غفاریؓ بھی اسلام قبول کرنے سے پیشتر ڈاکو تھے، اس پیشے میں وہ اتنے جری تھے کہ تن تنہا بڑی دلیری کے ساتھ اس راہ سے گزرنے والوں کو لوٹ لیا کرتے تھے، لیکن ابوذر غفاریؓ کی یہ حالت زیادہ عرصہ نہیں رہی، کچھ ہی دنوں کے بعد ان کی زندگی میں اچانک انقلاب آ گیا، انھوں نے ڈاکہ مارنے سے خود بخود توبہ کر لی، اور خدا پرستی کی طرف مائل ہو گئے۔ انھوں نے اپنے بتوں کو توڑ دیا اور توحید پرست بن گئے اور لا الٰہ الا اللہ کا وظیفہ ان کی زبان پر جاری ہو گیا۔

ابوذر غفاریؓ نے توحید تو اختیار کر لی لیکن انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ خدا کو کیسے پوجیں اور خدا کے وہ کیا احکام ہیں جن کے مطابق زندگی بسر کریں، وجہ یہ تھی کہ سینکڑوں برس سے عرب میں کوئی نبی نہیں پیدا ہوا تھا جو لوگوں کو اللہ کی عبادت کا طریقہ بتاتا۔ بے چارے سوچ میں رہتے اور جس طرح بن پڑتا نماز بھی پڑھتے، خود فرمایا کرتے تھے کہ میں مسلمان ہونے سے پہلے بھی نماز

پڑھا کرتا تھا۔ لوگوں نے پوچھا: "کس طرح نماز پڑھتے تھے، کس طرف رخ کر کے کھڑے ہوتے تھے اور کیا پڑھتے تھے؟" بتایا کہ جس طرف خدا پھیر دیتا اسی طرف منہ کر کے کھڑا ہو جاتا اور جس طرح سمجھ میں آتا سجدے کرتا اور ان نمازوں میں میرا پڑھنا یہ تھا کہ میں خدا سے اپنے گناہوں کے لیے توبہ کرتا اور دعا کرتا کہ اے اللہ! اپنی عبادت کا صحیح طریقہ بتا دے۔"

انہی حضرت ابوذر غفاریؓ کے مسلمان ہونے کا واقعہ دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام پر ثابت قدم رہنے کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ حضرت موصوف نے اپنے اسلام لانے کے واقعات خود بیان فرمائے ہیں، یہ دلچسپ آپ بیتی خود انہیں کی زبانی سنیے۔ فرمایا کرتے تھے کہ:

"جب میں اپنے خاندان میں تھا تو ایک شخص نے آکر بتایا کہ "ابوذر! مکہ میں تمہاری طرح ایک شخص لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے، اور وہ اپنے کو اللہ کا نبی بتاتا ہے۔ کہتا ہے کہ میرے پاس اللہ کے احکام آتے ہیں۔" یہ سن کر میں نے اپنے بھائی انیس کو مکے بھیجا کہ تحقیق کر کے آئیں۔ انیس گئے اور واپس آکر بتایا کہ "مکے میں جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اس کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ خدا کی قسم یہ شخص نیکیوں کی تعلیم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے۔" میں نے انیس سے کہا "نبوت کا دعویٰ کرنے والے نے تم کو اللہ کے جو احکام سنائے ہوں، مجھے سناؤ۔" انیس اس کا جواب نہ دے سکے۔ ان کے مختصر بیان سے مجھ کو تسلی نہیں ہوئی، اس لیے میں خود مکے کی طرف چل کھڑا ہوا، میں شہر میں پہنچا، لیکن میرے لیے مشکل یہ تھی کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتا نہ تھا اور کسی سے پوچھنا مناسب بھی نہ سمجھتا تھا۔ میں جا کر کعبہ میں ٹھہر گیا، دو چار دن کے بعد میرے پاس کھانے کا سامان ختم ہو گیا۔ اس کے ختم ہونے کے بعد زمزم کے پانی پر بسر کرنے لگا۔ ایک دن علیؓ ادھر سے گزرے انہوں نے پوچھا: "تم مسافر معلوم ہوتے ہو؟" میں نے کہا "ہاں۔" مسافر جان کر وہ مجھ کو اپنے گھر لے گئے۔ کھانا کھلا کر سلا دیا۔ نہ انہوں نے مجھ سے کچھ پوچھا اور نہ میں نے خود بتایا۔ صبح کو میں پھر کعبے میں جا کر بیٹھ گیا۔ اچانک پھر علیؓ آگئے اور پوچھا کہ "ابھی تک تم کو ٹھکانا نہیں ملا؟" میں نے کہا "نہیں۔" وہ پھر مجھے اپنے ساتھ لے کر چلے، اس بار انھوں نے پوچھا: "کیسے آنا ہوا؟" میں نے کہا: "اگر آپ کسی سے نہ کہیں تو اپنے آنے کی وجہ بتاؤں!" بولے "مطمئن رہو، جو کچھ بتانا چاہتے ہو کسی اندیشے کے بغیر کہہ دو۔" اب میں نے کہا کہ "میں نے سنا ہے کہ یہاں کسی نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ میں نے اس خبر کی تصدیق اور اس شخص

کے حالات دریافت کرنے کے لیے اپنے بھائی کو بھیجا تھا مگر بھائی کی تحقیق سے مجھے تسلی نہیں ہوئی۔ اب میں خود نبوت کے مدعی سے ملنے آیا ہوں" یہ سن کر حضرت علیؓ نے فرمایا: "تم نے ہدایت کا راستہ پالیا، سیدھے میرے ساتھ چلے آؤ۔ میں جس مکان میں جاؤں، تم میرے ساتھ ساتھ چلے آنا، راستے میں اگر کچھ خطرہ محسوس ہوگا تو میں جوتا درست کرنے کے بہانے سے دیوار کی طرف ہٹ جاؤں گا، تم بڑھے چلے جانا۔" چنانچہ میں ان کے کہنے کے مطابق چپ چاپ ان کے ساتھ ہولیا۔ علیؓ مجھے ایک مکان میں لے گئے۔ وہاں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا، اور جاتے ہی عرض کیا: "یارسول اللہؐ! آپ مجھے سمجھائیں اسلام کیا ہے؟" آپؐ نے میرے سامنے توحید پیش کی۔ توحید کے تقاضے پیش کیے، بتایا کہ آخرت کا ہونا یقینی ہے۔ میں نے کہا "ٹھیک ہے۔" اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ 'مجھے اللہ تعالیٰ نے آخری نبی بنا کر بھیجا ہے، میری نبوت کا اقرار کیے بغیر تم مسلمان نہیں ہو سکتے۔" اپنی نبوت کے ثبوت میں آپؐ نے اللہ کا کلام سنایا، میں اسی جگہ مسلمان ہو گیا۔

میرے مسلمان ہونے کے بعد حضورؐ نے فرمایا: "ابوذر! ابھی تم اپنے مسلمان ہونے کا اعلان نہ کرنا، اپنے گھر چپکے لوٹ جاؤ۔ بہت جلد اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب کرے گا اس وقت واپس آنا۔" میں نے حضورؐ سے کہا: "خدا کی قسم! میں اپنے اسلام کو چھپا نہیں سکتا۔ ابھی لوگوں کے سامنے پکار کر اعلان کروں گا۔" یہ کہہ کر میں کعبے میں گیا۔ یہاں قریش مکہ اکٹھا تھے، میں نے سب کو پکارا اور کہا "قریشیو! میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔" میرا یہ کہنا تھا کہ انھوں نے للکارا "لینا اس بے دین کو!" اس آواز کے ساتھ ہی لوگ چاروں طرف سے مجھ پر ٹوٹ پڑے، سب نے مل کر مجھے اتنا مارا کہ میں بے دم ہو کر گر پڑا، میرا برا حال دیکھ کر حضرت عباسؓ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا) ضبط نہ کر سکے، حالانکہ وہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے پھر بھی ترس کھا کر بڑھے اور میرے اوپر گر پڑے اور مجھے چھپا لیا اور قریش سے کہا۔ "تم لوگ ایک غفاری نوجوان کی جان لینا چاہتے ہو جبکہ تم جانتے ہو کہ غفاری خاندان کے لوگ اس راستے پر رہتے ہیں جہاں سے تم تجارت کے لیے آتے جاتے ہو۔ اگر تم نے اسے مار ڈالا تو پھر اس کے خاندان کے لوگ تمہارا راستہ بند کر دیں گے۔"

حضرت عباسؓ کے یہ کہنے سے سب ہٹ گئے، ان کے ہٹتے ہی پھر میں نے پکارا: **اَشْهَدُ**

اَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۔میری زبان سے پھر کلمہ شہادت سنا تو پھر سب جھپٹے اور مجھے پھر پیٹنا شروع کر دیا، لیکن حضرت عباسؓ نے پھر آ کر بچالیا۔ اس کے بعد میں کچھ دن آنحضرتؐ کے ساتھ رہا، پھر حضورؐ نے یہ کہہ کر واپس کیا کہ ''میں بہت جلد یثرب (مدینہ) کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں، بہتر یہ ہے کہ تم اپنی قوم میں جاؤ اور اسلام کی تبلیغ کرو، امید ہے کہ خدا ان پر اپنا فضل فرمائے، اور اس کے بدلے میں تمہارے اجر میں اضافہ ہو۔'' حضورؐ کے حکم سے میں واپس اپنے خاندان میں گیا سب سے پہلے اپنے بھائی انیس سے ملا، بھائی نے پوچھا۔ ''کیا کر کے آئے ہو؟'' میں نے جواب دیا کہ میں نے اسلام قبول کرلیا۔'' یہ سن کر انیس نے بھی کلمہ پڑھ لیا۔ اب ہم دونوں بھائی تیسرے بھائی اُمنا کے پاس گئے، ہماری تلقین سے وہ بھی مسلمان ہو گئے، اس کے بعد حضورؐ کی ہجرت سے پہلے پہلے غفاری خاندان کے تقریباً آدھے لوگ مسلمان ہو گئے اور باقی رہے سہے ہجرت کے بعد مسلمان ہو گئے۔ ہجرت کے بعد میں سب کو لے کر حضورؐ کی خدمت میں جا پہنچا اور حضورؐ کے قدموں سے اس وقت تک جدا نہ ہوا جب تک کہ اللہ نے اپنے اور میرے محبوب کو اپنے پاس نہ بلا لیا۔''

حضرت ابوذر غفاریؓ مسلمان ہو کر ایسے بلند اقبال ہوئے تھے کہ حضورؐ نے ان کو اپنا راز دار بنالیا تھا۔ انہی ابوذرؓ کی وفات کا حال بھی مندرجہ بالا آپ بیتی کے ساتھ پڑھ لیا جائے تو امید ہے کہ ہمارے ایمان میں اور اضافہ ہوگا۔ حضرت موصوف کی وفات کا حال ان کی اہلیہ محترمہ اس طرح بیان کرتی ہیں۔

''حضرت ابوذرؓ نے ۳۱ھ میں زبدہ کے ویرانے میں وفات پائی، جب ان کی حالت زیادہ نازک ہوئی تو میں رونے لگی۔ میرے رونے پر پوچھا کیوں روتی ہو؟'' میں نے کہا ''تم صحرا میں اس دنیا سے سدھارنے والے ہو۔ یہاں میرے اور تمہارے استعمال کے کپڑوں کے علاوہ کوئی ایسا کپڑا نہیں ہے جو تمہارے کفن کے کام آئے۔'' مجھ سے یہ سنا تو فرمایا ''رونا بند کرو۔ میں تم کو ایک خوش خبری سناتا ہوں، میں نے اپنے محبوب دوست[1] سے سنا ہے کہ جس مسلمان کے دو یا تین لڑکے مر چکے ہوں وہ اس کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے کافی ہیں۔ میرے محبوب دوست نے چند آدمیوں کے سامنے، جن میں ایک میں بھی تھا یہ بھی فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص صحرا میں مرے گا

---

[1] حضرت ابوذرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنی گفتگو یہ کہہ کر شروع کرتے کہ ''میرے محبوب دوست'' نے فرمایا، ''میرے محبوب دوست'' نے یہ کہا، وغیرہ۔

اور اس کی موت کے وقت وہاں مسلمانوں کی ایک جماعت پہنچ جائے گی، چنانچہ میرے علاوہ ان میں سب لوگ مر چکے اور سب آبادی میں مرے، اب صرف میں رہ گیا ہوں۔ اس لیے صحرا میں مرنے والا میں ہی ہوں، اور میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ میں نے تم سے جھوٹ کہا اور نہ میرے محبوب دوست نے جھوٹ کہا، تم راستے پر جا کر دیکھو، تمہاری مدد کے لیے لوگ آ رہے ہوں گے۔"

یہ سنا تو میں نے عرض کیا کہ "اب تو حاجی بھی جا چکے۔ راستہ بند ہو چکا۔" فرمایا: "نہیں، میرے محبوب دوست کا کہنا غلط نہیں ہوسکتا تم جا کر دیکھو۔" چنانچہ میں نے ایک ٹیلے پر جا کر دیکھا، کوئی نظر نہ آیا، پھر میں دوڑ کر ابوذرؓ کے پاس گئی کہ دیکھوں ان کا کیا حال ہے۔ میں نے بار بار دیکھنا شروع کیا، آخر مجھے ایک جماعت دکھائی دی، میں نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں بلایا، وہ لوگ نہایت تیزی سے میرے پاس آئے۔ میں انہیں ابوذرؓ کے پاس لے گئی، انہوں نے مجھ سے پوچھا "یہ کون بزرگ ہیں؟" میں نے بتایا "یہ ابوذرؓ ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی۔" یہ سن کر وہ سب لوگ "**فدیة بابی وامی**" (میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں) کہہ کر ابوذرؓ کی طرف بڑھے۔ ابوذرؓ نے پہلے ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی سنائی۔ پھر وصیت فرمائی کہ اگر میری بیوی یا میرے پاس کفن کے لائق کپڑا نکلے تو مجھ کو اسی میں کفنانا پھر قسم دلائی کہ تم میں سے اگر کوئی حکومت کا ادنیٰ درجہ کا عہدیدار بھی ہو تو وہ مجھ کو نہ کفنائے۔"

ان میں صرف ایک انصاری نوجوان ایسا تھا جو حکومت کے عہدوں سے آزاد تھا، باقی سب حکومت کے اہل کار ہی تھے۔ اس نوجوان انصاری نے کہا:

"چچا جان! میرے پاس ایک چادر ہے، چادر کے علاوہ دو کپڑے اور ہیں جو خاص میری والدہ کے ہاتھ کے کتے بنے ہیں، میں آپ کو انہی میں کفناؤں گا۔

فرمایا: "ہاں! تم ہی کفنانا۔"

اس وصیت کے بعد وفات پائی، اس نوجوان انصاری نے کفنایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی اسی گروہ میں تھے، انہی نے نماز جنازہ پڑھائی پھر سبھوں نے مل کر اسی صحرا کے ایک گوشے میں اللہ کے پیارے بندے کو دفن کر دیا۔

رضی اللہ عنہ

کلام اللہ کا اثر

حضرت طفیل دوسیؓ کی آپ بیتی

حضرت طفیل دوسی رضی اللہ عنہ یمن کے مشہور قبیلہ دوس کے سردار اور عرب کے معروف شاعر تھے، یہ قبیلہ بڑا طاقت ور مانا جاتا تھا۔ اس کے قبضے میں کئی قلعے تھے، حضرت طفیل دوسیؓ سردار ہونے کے باوجود تجارت بھی کرتے تھے اور چونکہ مشہور شاعر بھی تھے اس لیے اکثر مکہ جایا کرتے تھے جہاں سال کے کچھ مخصوص دنوں میں شعروشاعری کی محفلیں جمتی تھیں۔ تجارت اور شاعری کے واسطے سے اہل قریش سے ان کے دوستانہ مراسم تھے۔ ان کے مسلمان ہونے کا پس منظر بڑا دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب مکے کے سرداروں نے آپس میں مشورہ کر کے یہ طے کیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں جو تحریک شروع کی ہے اس کے مقابلہ میں پروپیگنڈہ کی ایک مہم شروع کی جائے۔ اور ہر اس شخص کو جو مکے میں زیارت کے لیے آئے، اسے حضورؐ کے خلاف پہلے ہی سے بدگمان کر دیا جائے تاکہ وہ آپ کی بات سننے کے لیے آمادہ ہی نہ ہو۔ یہ مہم ویسے تو بارہ مہینے جاری رہتی تھی مگر خاص طور پر حج کے زمانے میں کثرت سے آدمی پھیلا دیے جاتے تھے جو تمام باہری لوگوں کے خیموں میں پہنچ کر ان کو خبردار کرتے پھرتے تھے کہ یہاں ایسا اور ایسا ایک آدمی ہے، اس سے ہوشیار رہنا۔ ان گفتگوؤں میں طرح طرح کی باتیں گڑھی جاتی تھیں، کبھی کہا جاتا کہ یہ شخص جادوگر ہے، کبھی کہا جاتا کہ ایک کلام اس نے خود گڑھ لیا ہے، اور اسے خدا کا کلام بتاتا ہے، کبھی کہا جاتا کہ اجی وہ کلام ہی کیا ہے، دیوانوں کی بڑ اور پراگندہ خیالی کا ایک پلندہ ہے۔ کبھی کہا جاتا کہ شاعرانہ خیالات اور تک بندیاں ہیں جن

کا نام اس نے کلام الٰہی رکھ لیا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح لوگوں کو بہکایا جائے، صداقت کا سرے سے کوئی سوال ہی ان کے سامنے نہ تھا کہ جم کر کوئی جچی تلی بات کہتے، لیکن اس جھوٹے پروپیگنڈے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اہل مکہ نے خود عرب کے گوشے گوشے میں پہنچا دیا۔ آپ کی جتنی شہرت مسلمانوں کی کوششوں سے سالہا سال میں نہ ہوسکتی تھی وہ قریش کی اس مخالفانہ مہم سے تھوڑی ہی مدت میں چاروں طرف ہوگئی۔ ہر شخص کے دل میں ایک سوال پیدا ہوگیا کہ آخر معلوم تو ہو کہ وہ کون اور کیسا شخص ہے جس کے خلاف یہ طوفان اٹھایا جا رہا ہے، بہت سے لوگوں نے یوں بھی سوچا کہ اس شخص سے مل کر اس کی بات سنی جائے۔ ہم کوئی بچہ تو نہیں کہ خواہ مخواہ بہک جائیں گے۔

اس کی ایک دلچسپ مثال طفیل بن عمرو دوسی کا قصہ ہے جسے خود انہوں نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں قبیلہ دوس کا ایک شاعر تھا۔ میں مکے گیا، وہاں پہنچتے ہی قریش کے چند لوگوں نے مجھے گھیر لیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف میرے کان خوب بھرے یہاں تک کہ میں آپ سے بدگمان ہوگیا۔ میں نے طے کرلیا کہ آپ سے بچ کر رہوں گا۔ دوسرے دن میں نے حرم میں حاضری دی، میں نے دیکھا کہ آپ کعبے کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ میرے کانوں میں کلام الٰہی کے چند جملے پڑے۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ تو بڑا اچھا کلام ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں شاعر ہوں، جوان ہوں، عقل رکھتا ہوں۔ بچہ نہیں ہوں کہ صحیح اور غلط کا فرق نہ سمجھ سکوں۔ آخر کیوں نہ اس شخص سے مل کر معلوم کروں کہ یہ کیا کہتا ہے۔ چنانچہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے اور گھر کی طرف چلے تو میں آپؐ کے پیچھے پیچھے چلا۔ آپ کے مکان پر پہنچ کر میں نے عرض کیا کہ آپ کی قوم نے مجھ سے آپ کے متعلق یہ اور یہ کہا تھا، میں ان کے کہنے سے آپ سے بدگمان ہوگیا تھا۔ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی تھی کہ آپ کی آواز نہ سن سکوں، لیکن ابھی جو چند کلمے میں نے آپ کی زبان سے سنے ہیں وہ مجھے کچھ اچھے معلوم ہوئے، آپ مجھے ذرا تفصیل سے بتائیے کہ آپ کیا پیش کرتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں قرآن کا ایک حصہ سنایا میں اس سے اتنا متاثر ہوا کہ اسی وقت ایمان لے آیا۔ پھر واپس جا کر میں نے باپ اور بیوی کو مسلمان کیا۔ اس کے بعد اپنے خاندان میں اسلام کی تبلیغ کرتا رہا، یہاں تک کہ غزوۂ خندق کے زمانے تک ستر اسی آدمی مسلمان ہوگئے۔

یہی طفیل بن عمرو دوسیؓ وہ مشہور و معروف صحابی ہیں جنہوں نے حضورؐ سے کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ یمن تشریف لے چلیے، وہاں ہمارے پاس محفوظ قلعے ہیں اور ہماری قوم قریش کا مقابلہ بھی کر سکتی ہے لیکن مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم آ چکا تھا اس لیے یہ تجویز نامنظور ہو گئی۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو طفیل دوسیؓ بھی ہجرت کر کے مدینے جا بسے اور ایک معرکہ میں شہادت پائی۔ رضی اللہ عنہ۔

ایک ایمان افروز تقریر

مہاجرین حبشہ کی آپ بیتی

مہاجرین حبشہ، میں سو سے کچھ اوپر[1] وہ جوان مرد اور خواتین شامل ہیں جو سب کے سب مکہ کے قریش خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور تقریباً سب کا تعلق کسی نہ کسی بڑے گھرانے سے تھا۔ اور جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر اسلام قبول کرلیا تھا اور اسی اسلام لانے کے جرم میں ناقابل برداشت مظالم برداشت کررہے تھے۔ ان سب نے اس وقت اسلام قبول کیا جب مکے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اسلام کی اشاعت اور کفار مکہ کی طرف سے اس کی مخالفت بڑے زور وشور سے ہورہی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمان ہونے والوں کو عرب کی تپتی ریت پر دوپہر کو لٹادیا جاتا اور اوپر سے بھاری پتھر رکھ دیا جاتا، یہاں تک کہ مظلوم کی زبان منھ سے باہر آجاتی۔ کسی غریب مسلمان کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا کہ اسے جلتے ہوئے انگاروں پر لٹادیا جاتا اور اتنی دیر تک دبائے رکھا جاتا کہ جلنے والے جسم کی چربی نکل کر انگاروں کو بجھادیتی۔ کسی کو پانی میں لگاتار غوطے دیے جاتے۔ کسی کو جان سے ماردیا جاتا، وغیرہ۔

اسلامی تاریخ لکھنے والے لکھتے ہیں کہ جب حالات ناقابل برداشت ہوگئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا کہ ملک حبشہ کو ہجرت کرجائیں۔ اس ارشاد کے بموجب پہلے گیارہ مرد اور چار عورتوں کا ایک قافلہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی قیادت میں حبشہ کو روانہ ہوگیا۔ قریش کو معلوم ہوا تو انھوں نے پیچھا کیا لیکن نہ پاسکے تو مشہور کردیا کہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان صلح ہوگئی۔ یہ افواہ سن کر مہاجرین واپس ہوئے، قریش نے سوچ سمجھ

---

[1] ۸۵ مرد اور ۱۷ عورتیں۔ اور ان سے پہلے وہ ۱۵ حضرات جو ایک افواہ کی بنا پر حبش سے مکہ واپس آگئے تھے لیکن جب خبر غلط نکلی تو کچھ بچ بچا کر پھر ہجرت کرگئے۔ بعض کو قریش مکہ نے پکڑ کر قید کردیا اور دو ایک کو کسی رئیس رشتہ دار نے اپنی حمایت میں لے لیا۔

منصوبے کے تحت ان کی پکڑ دھکڑ شروع کر دی تو یہ غریب پھر بھاگے۔ جو پکڑ لیے گئے انہیں قید کر دیا گیا۔ دو ایک کو کسی نے اپنی حمایت میں لے لیا۔

اس کے بعد ۸۵ مردوں اور ۱۷ عورتوں کا قافلہ حبشہ پہنچا اور وہاں غریب الوطنی کی زندگی گزارنے لگا، قریش مکہ نے اپنے دو سمجھ دار آدمیوں (عمرو ابن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ) کو اس غرض سے حبشہ بھیجا کہ دونوں شاہ حبش سے ملیں اور اسے راضی کر کے مسلمانوں کو اپنے قبضے میں کریں اور پھر ان سب کو لاکر مکے میں بری طرح یا تو قید کر دیا جائے یا اس سے بڑھ کر عبرت ناک سزا دی جائے۔

عمرو ابن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ نے یہ خدمت بڑی تدبیروں اور ترکیبوں کے ساتھ انجام دی، انہوں نے حبش پہنچ کر رشوتوں کے بل پر نجاشی (شاہ حبش) کے درباریوں کو اپنا طرف دار بنالیا۔ اس کے بعد دوسرے دن نجاشی کی خدمت میں حاضری دے کر شکایت کی کہ ہمارے شہر میں چند سر پھرے لوگوں نے ایک مذہبی فتنہ برپا کر رکھا ہے، ان کا نیا مذہب آپ کے مذہب (عیسائی مذہب) کے لیے بھی خطرہ ہے۔ ہم نے ان میں کچھ نوجوانوں کو نکال دیا تو یہ اب آپ کی پناہ میں آپڑے ہیں، ان کو یہاں ٹھہرنے نہیں دینا چاہیے۔ آپ ان کو ہمارے حوالے کر دیں۔ ہمیں آپ کے پاس مکے کے شرفاء نے بھیجا ہے۔

عمرو ابن العاص نے اس طرح اپنی بات پیش کی تو نجاشی نے کہا ''تمہاری درخواست ہمارے سامنے ہے لیکن ان مہاجرین سے پوچھے بغیر ایک طرفہ فیصلہ صحیح نہیں، نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا۔ مسلمان سمجھ گئے کہ انہیں کیوں بلایا جارہا ہے۔ وہ سوچ میں پڑ گئے لیکن سب نے فیصلہ یہی کیا کہ نتیجہ کچھ ہو ہمیں نبیؐ نے جو کچھ سکھایا ہے اسے صاف صاف پیش کیا جائے۔ نجاشی سے گفتگو کرنے کے لیے نبیؐ کے چچازاد بھائی حضرت جعفر طیارؓ کو چنا گیا۔

جب مسلمان دربار میں پہنچے تو قاعدے کے مطابق انہوں نے نجاشی کو سجدہ نہیں کیا۔ درباریوں کو تو عمرو ابن العاص نے پہلے ہی توڑ لیا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کے اس رویہ پر اعتراض کیا تو حضرت جعفرؓ نے بڑی جرأت کے ساتھ کہہ دیا کہ ہم لوگ اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سلام کا بہترین اور سادہ طریقہ سکھایا ہے، چنانچہ ہم سلام کرتے ہیں۔

اس گفتگو کے بعد نجاشی نے سوال کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے، تم لوگوں نے کونسا نیا دین گڑھا ہے جو نہ بت پرستی ہے اور نہ عیسائیت سے میل کھاتا ہے؟

نجاشی کے اس سوال پر حضرت جعفرؓ اٹھے، انہوں نے کہا ''میں مکہ کے ان سفیروں سے دو باتیں دریافت کرنا چاہتا ہوں۔'' نجاشی نے اجازت دے دی، چنانچہ اس طرح بات چیت شروع ہوئی:

حضرت جعفرؓ: '' کیا ہم کسی کے غلام ہیں جو آقا سے بھاگ کر آئے ہیں، یا آزاد اور شریف لوگ ہیں؟''

عمرو بن العاص: ''نہیں، یہ لوگ کسی کے غلام نہیں ہیں بلکہ شریفوں کی اولاد ہیں۔''

حضرت جعفرؓ: '' کیا ہم نے کسی ناحق قتل کیا ہے؟ اگر ہم نے ایسا کیا ہے تو ہم کو ضرور ان کے حوالے کر دیا جائے۔''

عمرو ابن العاص: ''نہیں، انہوں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔''

حضرت جعفرؓ: کیا ہم کسی کا کچھ مال لے کر بھاگے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو ہم اس کی ادائیگی کرنے کو تیار ہیں۔''

عمرو ابن العاس: ''نہیں، ان کے ذمہ کسی کا ایک پیسہ بھی نہیں!''

اس بات چیت کے بعد حضرت جعفر طیارؓ نے مہاجرین کی آپ بیتی نجاشی کے سامنے پیش کی، فرمایا:

''اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، ہم بتوں کی پوجا کرتے اور مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے اور پڑوسیوں کو ستاتے تھے۔ بھائی بھائی پر ظلم کرتا، طاقت ور کمزور کو ستاتا اور اسی طرح کی ہر وہ برائی، جس کا تصور کیا جا سکتا ہے ہم میں تھی، ہم اس حال میں تھے کہ خدا نے ہم پر اپنا فضل فرمایا۔ ہم میں ایک ایسا شخص پیدا ہوا جس کی شرافت، سچائی اور امانت داری سے ہم خوب واقف تھے، اس نے ہم کو اسلام کی طرف بلایا۔ اس نے ہمیں سکھایا کہ پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں، ہم سچ بولیں، لڑنے جھگڑنے اور خون بہانے سے باز آجائیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، پڑوسیوں کو آرام دیں، نیک عورتوں پر تہمت نہ لگائیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں اور صدقہ دیں۔

عالیجاہ! ہم اس پر ایمان لے آئے، ہم نے شرک اور بت پرستی چھوڑ دی اور سارے برے کاموں سے توبہ کر لی، اس ''جرم'' میں ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہوگئی، اور یہ لوگ ہم کو مجبور کرتے ہیں کہ ہم پھر اسی گمراہی میں مبتلا ہو جائیں، ہم اپنا ایمان اور اپنی جان بچا کر آپ کی طرف

بھاگ آئے ہیں۔ اگر ہماری قوم ہمیں وطن میں رہنے دیتی تو ہم نہ نکلتے۔ یہ ہے ہماری آپ بیتی۔"

مہاجرین حبشہ کی یہ دردناک آپ بیتی سن کر نجاشی جیسے خدا ترس بادشاہ کا دل موم ہو گیا۔ کہنے لگا "تم مجھے اس کتاب کا کوئی حصہ سناؤ جو تمہارے نبی پر اتری ہے۔"

حضرت جعفر طیارؓ نے سورۂ مریم کا ایک حصہ پڑھ کر سنایا۔ آیات اللہ سن کر نجاشی رونے لگا۔ وہ پکار اٹھا "خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل ایک ہی چراغ کی روشنی ہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو وہی رسول ہیں جن کی خبر عیسیٰ مسیحؑ نے دی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے اس رسول کا زمانہ ملا۔

اس کے بعد حکم دیا کہ مہاجرین کو واپس نہیں دیا جائے گا۔ عمرو ابن العاص نے دیکھا کہ یہ چال بے کار ہوگئی تو دوسری چال چلی۔ دوسرے دن دربار میں پہنچ کر عرض کیا کہ حضور! ذرا ان مسلمانوں سے یہ تو دریافت فرمائیں کہ مسلمان حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں؟

نجاشی نے مسلمانوں کو پھر بلایا، مسلمانوں کو اس بات کی اطلاع ہو چکی تھی، انہیں فکر ہوئی کہ ہمیں کیا کہنا چاہیے، عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں اور قرآن اس سے انکار کرتا ہے، حضرت جعفر طیارؓ نے کہا "ہمیں ہر حال میں سچ بات ہی کہنا چاہیے، خدا ہمارے ساتھ ہے۔" چنانچہ جب یہ غریب الوطن دوسرے دن دربار میں پہنچے تو حضرت جعفرؓ نے اپنی جوابی تقریر میں فرمایا کہ "ہمارے نبیؐ نے بتایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور وہ کلمۃ اللہ ہیں۔"

نجاشی حضرت جعفرؓ کی تقریر غور سے سنتا رہا، پھر اس نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا: "واللہ! جو تم نے کہا ہے، عیسیٰ اس تنکے سے کچھ بھی زیادہ نہیں ہیں۔" پادری جو قریش کے سفیروں سے رشوت کھا چکے تھے، دل ہی دل میں پیچ و تاب کھانے لگے۔ یہاں تک کہ ان کے نتھنوں سے سانس کی خرخراہٹ سنائی دینے لگی، لیکن نجاشی نے مطلق پروانہ کی۔ اس نے حکم دیا کہ قریش کے تحفے واپس کر دیے جائیں اور مسلمان میری پناہ میں ہیں۔

اس طرح قریش کی سفارت بیکار ثابت ہوئی اور مسلمان اس وقت تک حبش میں رہے جب تک کہ مدینے کی ہجرت کا حکم نہ آیا۔

رضی اللہ عنہ

ہجرت

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی آپ بیتی

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا قریش خاندان کے ایک رئیس کی بیٹی تھیں، ان کی شادی خاندان ہی کے ایک مشہور فرد حضرت ابوسلمہؓ سے ہوئی تھی۔ حضرت ابوسلمہؓ کی شہادت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا اور ام سلمہؓ مسلمانوں کی ماں بن گئیں، حضرت ام سلمہؓ اور ان کے شوہر ابوسلمہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت ایمان لائے تھے جب مکہ کے قریش مسلمان ہونے والوں کو بری طرح ستا رہے تھے۔ اس کے بعد ہجرت کا حکم ہوا تو ابوسلمہؓ نے اپنے اہل وعیال سمیت ہجرت کی ٹھانی۔ اپنی ہجرت کا حال حضرت ام سلمہؓ خود بیان کیا کرتی تھیں۔ اس کے بعد فرماتیں کہ ''میں نہیں جانتی کہ اہل بیت میں سے کسی نے وہ مصیبتیں اٹھائی ہوں جو اسلام کی خاطر خاندان ابوسلمہؓ کو جھیلنا پڑیں۔ اپنی ہجرت کی درد بھری کہانی اس طرح سناتی ہیں:

جب ابوسلمہؓ نے مدینے جانے کا فیصلہ کرلیا تو ان کے پاس ایک ہی اونٹ تھا۔ انہوں نے اسی پر مجھ کو اور میرے بیٹے سلمہ کو سوار کر دیا، خود اونٹ کی نکیل پکڑی اور چل کھڑے ہوئے۔ بنو مغیرہ، جو میرے میکے کے لوگ تھے، انھوں نے مجھے دیکھ لیا وہ دوڑے آئے۔ ابوسلمہ کا راستہ روک کر بولے: ''ہم اپنی لڑکی کو ایسی خراب حالت میں نہ جانے دیں گے۔'' اس کے بعد ابوسلمہؓ سے نکیل چھین لی اور مجھے اپنے ساتھ لے چلے۔ اتنے میں بنو عبدالاسد (ابوسلمہ کے گھر والے) آپہنچے، انھوں نے میرے بچے سلمہ پر قبضہ کرلیا اور بولے ''اگر تم اپنی لڑکی کو شوہر کے ساتھ نہیں جانے دیتے تو ہم اپنے بچے کو تمہاری لڑکی کے پاس ہرگز نہ چھوڑیں گے۔'' وہ بچے کو لے کر چلے

گئے، اب میں، میرے شوہر ابوسلمہ اور میرا بچہ تینوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ اس صدمے سے میرا برا حال ہو گیا۔ ہجرت کا حکم ہو چکا تھا، اس لیے ابوسلمہ مدینے چلے گئے۔ میں اکیلی رہ گئی۔ میں روز صبح کو گھر سے نکلتی، ایک ٹیلے پر جا بیٹھتی اور رویا کرتی۔ اس طرح روتے ہوئے تقریباً ایک سال ہو گیا۔ ایک دن بنو مغیرہ کے ایک شخص نے جو میرا رشتہ دار تھا مجھے روتے دیکھا تو اسے ترس آ گیا، اس نے خاندان والوں کو جمع کیا۔ اس نے ان کے سامنے تقریر کی کہ "آپ لوگ اس مسکین کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے، جس کو آپ لوگوں نے اس کے شوہر اور اس کے بچے سے جدا کر دیا ہے۔" اس نے میرا حال کچھ اس درد بھرے لہجے میں بیان کیا کہ میرے میکے والوں کو رحم آ گیا اور انہوں نے اجازت دے دی کہ مدینہ جا سکتی ہے۔ ابوسلمہ کے گھر والوں نے یہ سنا تو انہوں نے میرے بچے کو میرے پاس بھیج دیا۔ میں نے اونٹ پر کجاوہ کسا۔ سلمہ کو گود میں لیا، سوار ہوئی اور تن تنہا مدینے کی طرف چل دی۔ یہ خدا کا فضل و کرم تھا کہ میں ریگستان میں راستہ بھولنے سے بچ گئی اور تنعیم پہنچ گئی۔ وہاں مجھ کو عثمان بن طلحہ ابن ابی طلحہ مل گئے۔ انھوں نے حال پوچھا۔ میں نے اپنا ارادہ بتایا۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ میں تن تنہا سفر کر رہی ہوں تو انھوں نے میرے اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور ہاتھ سے کھینچتے ہوئے آگے آگے چلنے لگے، خدا جانتا ہے، مجھے عثمان سے زیادہ شریف آدمی عرب میں نہیں ملا۔ جب منزل آتی اور ہمیں ٹھہرنا پڑتا تو وہ کسی درخت کی آڑ میں ہو جاتے[1]۔ چلنے کا وقت ہوتا تو اونٹ کو تیار کر کے لاتے اور جب میں اطمینان سے بیٹھ جاتی تو اونٹ کی مہار پکڑ کر آگے آگے چلنے لگتے۔ راستہ بھر یہی طریقہ رہا۔ مدینہ پہنچ کر بنی عمرو بن عوف کی بستی (قبا) سے گزر ہوا تو عثمان نے مجھ سے کہا "تمہارا شوہر اس گاؤں میں ہے۔" یہ کہہ کر وہ مکہ واپس ہو گئے۔ ابوسلمہ قبا میں ٹھہرے ہوئے تھے، میں اللہ کا نام لیتی ہوئی قبا میں داخل ہو گئی، اور ابوسلمہؓ مجھے مل گئے۔

ایک بار میں نے ابوسلمہؓ سے کہا کہ ایک خوش خبری ملی ہے، معلوم ہوا ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر جنت سدھار جائے اور عورت اس کے بعد دوسرا نکاح نہ کرے تو اللہ اس عورت کو بھی شوہر کے ساتھ جنت میں جگہ دیتا ہے۔ یہی صورت مرد کے لیے ہے تو آؤ ہم تم قول و قرار کر لیں کہ نہ تم ہمارے بعد نکاح کرو اور نہ میں تمہارے بعد۔ ابوسلمہؓ نے جواب دیا کہ "تم میری اطاعت کرو گی؟" میں نے کہا "بے شک کروں گی۔" انہوں نے کہا "جب میں مر جاؤں تو

---

[1] اس وقت پردہ کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ حضرت ام سلمہؓ پہلی پردہ نشین خاتون ہیں جنہوں نے باپردہ ہجرت فرمائی۔

میرے بعد نکاح کر لینا۔'' اس کے بعد اللہ سے دعا کی کہ یا اللہ! میرے بعد ام سلمہؓ کو مجھ سے بہتر شوہر عطا فرما۔''

کچھ دنوں بعد ابوسلمہؓ کو شہادت کا رتبہ ملا، ان کی شہادت کی خبر سنی تو جدائی کے غم سے میرا کلیجہ پھٹنے لگا، میرے منہ سے نکلا: ''ہائے! غربت میں کیسی موت ہوئی۔'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کی خبر سنی، آپؐ میرے گھر تشریف لائے، صبر کرنے کی تلقین فرمائی اور کہا کہ یہ دعا کرو کہ یا اللہ! مجھے ابوسلمہؓ سے بہتر جانشین عطا فرما۔

یہی بات ابوسلمہؓ نے کہی تھی اور یہی حضورؐ نے فرمایا، میں حیران تھی کہ ابوسلمہ سے بہتر شوہر کون ہو سکتا ہے، تمام صحابہؓ میری بے کسی اور بے بسی سے متاثر تھے اور چاہتے تھے میرا گھر بس جائے، چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے مجھے نکاح کا پیام دیا، لیکن میں نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے پیغام بھیجا، میں نے اب بھی انکار کر دیا۔ آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تو میں نے دل میں کہا کہ اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے، میں نے منظور کر لیا اور حضورؐ نے میری شرائط پر مجھ سے نکاح کر لیا۔ اس طرح مجھے ام المومنین ہونے کا شرف حاصل ہوا، اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے میری ان مصیبتوں کا بدلہ دنیا میں بھی دیا۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں بھی مجھ پر رحم فرمائے گا۔

سراغ رسانی

حضرت حذیفہؓ کی آپ بیتی

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکے سے مدینے ہجرت فرما گئے تو کچھ دنوں بعد قریش مکہ سے مسلمانوں کو کئی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ قیام مدینہ کے دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار سے ایک بڑی سخت جنگ لڑنا پڑی، قریش مکہ نے سارے عرب میں حضورؐ کے خلاف پروپیگنڈہ کر کے تقریباً تمام قبائل عرب کو ہم نوا اور طرف دار بنالیا تھا اور سب کو مجتمع کر کے بارہ ہزار جنگجو عرب قبائل کے ساتھ مدینے پر چڑھائی کردی تھی۔ یہ وقت مسلمانوں کے لیے بڑا نازک تھا۔ یہ بے سروسامان تھے اور دشمن بڑے انتظام سے مقابلہ کرنے آیا تھا، حضورؐ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے سے مدینے کے گرد خندق کھودلی تھی اور اس کے اندر خود کو محصور کر کے مقابلہ شروع کیا تھا۔ محاصرہ تقریباً ایک ماہ تک رہا، عرب کے جنگجو لشکر کا سپہ سالار اعظم ابوسفیان تھا، سخت سردی کا زمانہ تھا۔ مسلمانوں کے پاس اتنا سامان بھی نہ تھا کہ سردی سے اپنا بچاؤ کر سکتے۔ ایسی حالت میں ایک رات حضورؐ نے صحابہؓ سے دشمن کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے لیے فرمایا اور اس سراغ رسانی کے لیے حضرت حذیفہؓ کو نامزد فرمایا، حضرت حذیفہؓ پر اس سردی کی رات میں کیا بیتی اور پرخطر راہ انھوں نے کس طرح طے کی، اسے ہم ایک حدیث کے ذریعے بیان کرتے ہیں، یہ حدیث مسلم شریف کی ہے جسے مشہور تابعی حضرت ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد سے سنا۔ حضرت ابراہیم تیمیؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ:

"ہم حضرت حذیفہؓ کے پاس تھے کہ ایک شخص نے کہا: اگر میں رسول اللہؐ کو پاتا تو آپ کی معیت میں مقاتلہ کرتا اور بڑی سرگرمی دکھاتا۔

یہ سن کر حضرت حذیفہ نے فرمایا: کیا تم ایسا کرتے؟ ہم لیلۃ الاحزاب میں رسول اللہؐ کے ساتھ تھے اور ہمیں شدید ہوا اور سخت ٹھنڈک نے گھیر لیا تھا، رسول اللہؐ نے فرمایا: کیا کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو میرے پاس قوم کی خبر لائے، اسے اللہ عزوجل قیامت کے دن میری معیت عطا فرمائے گا۔

ہم خاموش ہو گئے، ہم میں سے کسی نے بھی آپ کی بات کا جواب نہ دیا۔

پھر آپؐ نے فرمایا: کیا کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو میرے پاس قوم کی خبر لائے، اسے اللہ عزوجل قیامت کے دن میری معیت عطا فرمائے گا۔

ہم خاموش رہے، ہم میں سے کسی نے بھی آپ کی بات کا جواب نہ دیا۔

پھر آپؐ نے فرمایا: کیا کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو میرے پاس قوم کی خبر لائے، اسے اللہ عزوجل قیامت کے دن میری معیت عطا فرمائے گا۔

ہم خاموش ہی رہے۔ ہم میں سے کسی نے بھی آپؐ کی بات کا جواب نہ دیا۔

تب آپؐ نے فرمایا: کھڑے ہو جاؤ اے حذیفہ! قوم کی خبر لاؤ۔ جب آپؐ نے میرا نام لے کر پکارا تو چاروناچار مجھے کھڑا ہونا پڑا۔

فرمایا: جاؤ، قوم کی خبر لاؤ اور دیکھو انہیں میرے خلاف مشتعل نہ کرنا (یعنی یہ کام خفیہ ہو انہیں تمہاری خبر نہ ہونے پائے)۔

پس جب میں آپؐ کے پاس سے روانہ ہوا تو ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے حمام میں چل رہا ہوں (یعنی ٹھنڈک کا کوئی اثر نہ تھا) یہاں تک کہ ان کے پاس پہنچا۔ میں نے ابوسفیان کو دیکھا کہ وہ آگ سے اپنی پیٹھ تاپ رہا ہے۔ لہٰذا میں نے تیر کو کمان کے وسط میں چڑھا لیا اور ارادہ کیا کہ اسے اس پر پھینکوں پھر مجھے یاد آ گیا رسول اللہ کا قول مبارک۔ انہیں میرے خلاف مشتعل نہ کرنا۔ اور اگر میں اس پر تیر چھوڑ دیتا تو نشانہ صحیح بیٹھتا۔

پھر میں واپس ہوا (اس وقت بھی) میں اس طرح چل رہا تھا جیسے حمام میں ہوں۔

جب میں آپؐ کے پاس آیا اور خبر دے کر فارغ ہوا تو مجھے ٹھنڈک محسوس ہونے لگی۔ پس اوڑھا دی مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وہ عبا جسے آپ زیب تن کیے ہوئے تھے اور جس میں آپ نماز ادا فرماتے۔

پھر میں سو گیا یہاں تک کہ صبح ہو گئی، جب میں نے صبح کی تو آپؐ نے فرمایا اٹھ اے بہت سونے والے۔ (مسلم شریف جلد ثانی ص ۱۰۷)

اسلام کی طرف

حضرت عمرو ابن العاصؓ کی آپ بیتی

حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور و معروف صحابہؓ میں سے ہیں۔ بڑے ذہین، نہایت سمجھ دار، بہترین منشی، نہایت عمدہ مقرر، اعلیٰ درجہ کے سیاست داں، کامیاب گورنر، مدبر، سپہ سالار اور بے مثل سپاہی تھے۔ مسلمان ہونے سے پہلے اسلام کے کٹّر دشمنوں میں سے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی ان کی سمجھ داری کی تعریف کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے ''تعجب ہے کہ عمرو ابن العاصؓ جیسا سمجھ دار آدمی ابھی تک مسلمان نہیں ہوا۔'' مسلمان ہوئے تو جیسے پہلے اسلام دشمنی میں سخت تھے اس سے زیادہ اسلام دوست اور دشمن کفر ہو گئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں فرمایا کرتے کہ **اسلم الناس و امن عمرو ابن العاص** (عمرو ابن العاصؓ بہترین مسلمان اور بہت اچھے مومن ہیں)۔ ایک بار یہ فرمایا کہ عمرو ابن العاصؓ قریش کے صالح لوگوں میں سے ہیں، خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ جب کسی ناکارہ اور ناسمجھ آدمی کو دیکھتے تو تعجب کے ساتھ کہا کرتے کہ ''کیا اس شخص اور عمرو ابن العاصؓ کا پیدا کرنے والا ایک ہی ہے؟''

ایسے ذہین اور باکمال انسان نے مدتوں اسلام کی تعلیمات پر غور کیا، دوسروں سے بحثیں کیں اور جب اپنے دلائل سے انہیں بھی قائل کر لیا تب اسلام کی طرف مائل ہوئے، ایسے باکمال بزرگ کے مسلمان ہونے کی کہانی خود انہی کی زبانی سنیے، فرماتے ہیں کہ:

''میں اسلام کے بارے میں اکثر سوچا کرتا تھا۔ سوچتے سوچتے اسلام کی حقیقت مجھ

پر ظاہر ہونے لگی اور میں اسلام سے متاثر ہونے لگا۔ میں اس غور وفکر سے پہلے اسلام کا کٹر دشمن تھا اور مسلمانوں کی مخالفت میں پیش پیش رہتا تھا، لیکن اس غور وفکر کے نتیجے میں دھیرے دھیرے میں اسلام سے قریب ہوتا گیا اور اسی نسبت سے مسلمانوں کی مخالفت میں کمی ہونا شروع ہوگئی، جسے قریش مکہ نے بھانپ لیا اور پوچھنے لگے کہ بات کیا ہے؟ اب تم ویسے نہیں جیسے تھے؟ انہوں نے ایک عقل مند شخص کو مجھ سے بات کرنے کے لیے چنا، جو آ کر مجھ سے بحث کرنے لگا۔ میں نے اس سے کہا "بتاؤ، ہم حق پر ہیں یا فارس اور روم والے؟" اس نے کہا "ہم حق پر ہیں۔" میں نے پھر پوچھا کہ دنیا کا عیش وآرام روم اور فارس والوں کو حاصل ہے یا ہمیں؟" جواب دیا کہ "فارس اور روم والوں کو۔" اب میں نے کہا: تو پھر اگر اس عالم کے بعد دوسرا عالم آخرت نہیں ہے تو ہماری حق پرستی کس کام آئے گی جبکہ ہم اس دنیا میں ناحق پرستوں کے مقابلے میں پریشان اور بدحال ہیں، آخر ہمیں ہماری حق پرستی کا بدلہ ملنا چاہیے، اگر ملنا عقل میں آتا ہے تو پھر کہاں ملے گا اگر ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم سے انکار کر دیں کہ آخرت کے دن کا آنا برحق ہے یعنی ایک دن ایسا آ کر رہے گا جب ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق سزا اور جزا ملے گی، دیکھو کیسی سچی اور دل لگتی ہے یہ بات۔

وہ شخص میری بات کا جواب نہ دے سکا اور میرا دل اسلام کے عقیدوں کی طرف سے مطمئن ہونے لگا، پھر جب قریش مدینے پر چڑھ کر گئے اور خندق کی مشہور جنگ میں یکا یک خدا کی طرف سے مسلمانوں کے حق میں مدد آئی اور اللہ کی بھیجی ہوئی آندھی نے قریش کو تباہ حال کر دیا تو مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کامیابی کا پورا پورا یقین ہوگیا۔ یہی یقین میرے مسلمان ہونے کا ذریعہ بنا۔

غزوۂ احزاب (اسے غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں) سے لٹے پٹے ہم لوگ واپس ہو رہے تھے، راستے میں ایک جگہ میں نے قریش کے ان لوگوں کو جمع کیا جو مجھے مانتے تھے اور میری بات غور سے سنتے تھے۔ میں نے ان سے کہا "خدا کی قسم تم لوگ یقین جانو کہ اسلام غالب ہو کر رہے گا۔ اس میں کسی انکار کی گنجائش نہیں۔ میری ایک رائے ہے۔ تم اس کے بارے میں سوچو۔ میری رائے ہے کہ ہم لوگ نجاشی (شاہ حبش) کے یہاں چل کر ٹھہریں، اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم قریش پر غالب آ جائیں تو ہم لوگ وہیں رک اور بس جائیں تا کہ ہمیں محمدؐ کی ماتحتی میں رہنا نہ پڑے اور اگر ہماری قوم والے (قریش) غالب آ گئے تو بہر حال ہم بھی قریش ہی ہیں اور ممتاز گھرانے سے ہیں، قریش کا غلبہ ہمارا غلبہ ہوگا۔"

میری یہ رائے لوگوں نے مان لی، میں نے کہا ”تو پھر نجاشی کو دینے کے لیے کوئی بہترین تحفہ لے کر چلنا چاہیے۔ نجاشی ہمارے یہاں کے چمڑے کی بڑی قدر کرتا ہے، یہی اس کے لیے بہترین تحفہ ہے۔“ اس کے بعد ہم نے عمدہ قسم کا چمڑا جمع کیا اور نجاشی کے دربار میں پہنچے۔ ہم دربار میں تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر حضرت عمرو ابن امیہؓ بھی آ گئے انہیں بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مسلمانوں کی کسی ضرورت کی غرض سے نجاشی کے پاس بھیجا تھا جو مکہ سے حبش کو ہجرت کر آئے تھے جب عمرو ابن امیہ ضمری چلے گئے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ”چلو نجاشی سے عمرو ابن امیہ ضمری کو مانگ لیں، اگر وہ دے دے تو ہم اس کی گردن مار دیں تا کہ قریش خوش ہوں کہ ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سفیر کا سر قلم کر دیا اور کسی حد تک اپنی شکستوں کا بدلہ لے لیا۔“

یہ کہہ کر میں نجاشی کے پاس گیا، طریقے کے مطابق اسے سجدہ کیا۔ اس نے خوش ہو کر پوچھا ”میرے لیے اپنے ملک کا کوئی تحفہ لائے ہو؟“ میں نے چمڑا پیش کیا جسے نجاشی نے بہت پسند کیا، اب میں نے عرض کیا ”حضور والا! ابھی میں نے ایک آدمی کو حضور کے پاس سے نکلتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ ہمارے دشمن کا بھیجا ہوا ہے۔ آپ اسے قتل کرنے کے لیے ہمارے حوالے کر دیں، اس نے ہمارے بہت سے بزرگوں اور شریفوں کو تکلیفیں پہنچائی ہیں۔“

نجاشی نے یہ سنا تو وہ مجھ پر بہت بگڑا غصے میں اس نے اپنا ہاتھ اس زور سے اپنی ناک پر مارا کہ میں سمجھا ٹوٹ جائے گی، اس کی اس حرکت سے میں گھبرا گیا اور مجھے ایسی شرمندگی ہوئی کہ اگر زمین پھٹ جاتی تو اس میں میں سما جاتا، میں نے معذرت کی، نجاشی سے کہا: ”حضور والا! اگر میں سمجھتا کہ میری درخواست ناگوار ہوگی تو میں کبھی ایسی گستاخی نہ کرتا۔“ وہ بولا: ”تم چاہتے ہو کہ میں ایسے شخص کا قاصد قتل کے لیے تمہارے حوالے کر دوں جس کے پاس وہ ”ناموس اکبر“ آتا ہے جو موسیٰ کے پاس آیا کرتا تھا۔“ میں نے نجاشی سے پوچھا: ”کیا واقعی وہ شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا ہے؟“ بولا ”عمرو! تم پر افسوس ہے، میرا کہا مانو اور اس کی پیروی کر لو۔ خدا کی قسم وہ حق پر ہے، وہ اپنے تمام مخالفوں پر غالب آئے گا، جس طرح موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کے لشکر پر غالب آئے تھے۔“ میں نے عرض کیا ”تو پھر اس کی طرف سے آپ مجھے مسلمان کر لیں اور مجھ سے بیعت لے لیں۔“

یہ سن کر نجاشی نے اپنا ہاتھ پھیلا دیا۔ میں نے بیعت کر لی۔ اب جو واپس ہوا تو میرے

ذہن میں انقلاب آ چکا تھا۔ میں مدینے کے لیے چل دیا۔ راستے میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ملے جو مکے سے آ رہے تھے۔ یہ فتح مکہ سے پہلے کا واقعہ ہے، میں نے ان سے کہا۔ ''یا ابا سلیمان! کہاں جا رہے ہو؟'' انھوں نے جواب دیا۔ ''خدا کی قسم خوب پانسہ پڑا! خدا کی قسم یہ شخص یقیناً نبی ہے ہمیں جلد مسلمان ہو جانا چاہیے۔'' میں نے خالد بن ولید سے کہا ''خدا کی قسم! میں بھی اسی ارادے سے چلا ہوں۔''

اس کے بعد ہم دونوں ایک ساتھ مدینے پہنچے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے، پہلے خالد بن ولیدؓ نے بیعت کی پھر میں نے قریب ہو کر عرض کیا، یارسول اللہ! میں بیعت کروں گا لیکن آپ میرے اگلے اور پچھلے گناہوں کو معاف فرما دیں۔'' آپؐ نے فرمایا ''عمرو! بیعت کر لو، اسلام لانے کے بعد انسان کے پہلے گناہ خود بخود معاف ہو جاتے ہیں، اور ہجرت بھی ایسے گناہوں کو معاف کر دیتی ہے۔''

یہ سن کر میں نے بیعت کر لی، بیعت کر کے مکہ لوٹ گیا اور پھر کچھ ہی دنوں کے بعد ہجرت کر کے مدینے جا پہنچا۔ خدا کی قسم! جب میں کافر تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن تھا اگر میں اسی حالت میں مر جاتا تو میرے لیے دوزخ کا ٹھکانہ یقینی ہوتا، اللہ کا شکر ہے کہ اب جبکہ میں مسلمان ہوں تو نبیؐ سے زیادہ مجھے اور کوئی محبوب نہیں، اور میں اپنے پہلے کے کرتوتوں پر اتنا شرمندہ ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آنکھیں چار نہیں کر سکتا۔''

یہی عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ وہ مشہور اسلامی جنرل ہیں جن کے کارناموں سے تاریخ اسلام بھری پڑی ہے۔

رضی اللہ عنہ

یہودی عالم کا قبول اسلام

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کی آپ بیتی

حصین مدینے کے رہنے والے اور مسلمان ہونے سے پہلے یہودیوں کے مشہور عالم تھے، نہایت متقی، پرہیز گار اور توریت کے فاضل بزرگ تھے، انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا واقعہ یوں بیان فرمایا ہے:

''میں نے جب اللہ کے نبیؐ کے بارے میں سنا تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیوں، آپ کے نام مبارک اور آپ کے زمانے کو پہچان لیا۔ احکام توریت کے تحت ہم اس نبی کے ظہور کے انتظار میں تھے، تو میں خبر سن کر خوش ہوا لیکن زبان سے کچھ نہ کہا یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں تشریف لے آئے، جب آپؐ قبا میں عمرو بن عوف کے گھرانے میں پہنچے تو ایک شخص آیا، اس نے حضورؐ کے آنے کی اطلاع مجھے دی، اس وقت میں ایک کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا تھا اور کام میں مصروف تھا، میری پھوپھی خالدہ بنت حارث نیچے بیٹھی تھیں، میں نے جیسے ہی یہ خبر سنی تو بلند آواز سے ''اللہ اکبر'' کہا۔ پھوپھی تکبیر سن کر بپھر کر بولیں ''خدا تجھے غارت کرے، تجھے اگر موسیٰ بن عمران کی آمد کی خوش خبری سنائی جاتی تو اس سے زیادہ خوشی کا اظہار نہ کرتا۔'' میں نے جواب دیا ''پھوپھی جان! خدا کی قسم! یہ موسیٰ بن عمران کے بھائی ہیں اور انہی کے دین کو لے کر آئے ہیں اور اسی پر چلتے ہیں۔'' مجھ سے یہ سنا تو کہنے لگیں ''اے میرے برادرزادے! کیا واقعی یہ وہی نبی ہیں جن کے بارے میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ وہ قیامت کے قریب مبعوث ہوں گے''؟ میں نے کہا ''خدا کی قسم! یہ وہی نبی ہے۔''

یہ کہہ کر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا۔ جیسے ہی میں نے حضورؐ کو دیکھا،

میری زبان سے نکلا کہ" خدا کی قسم! یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں اور میں کسی تردد کے بغیر مسلمان ہو گیا، پھر میں گھر واپس آیا، اپنے گھر والوں کو اسلام کی دعوت دی اور میرے گھر والے بھی مسلمان ہو گئے۔"

مسلمان ہونے کے بعد اس مشہور و معروف یہودی عالم کا نام نبی کریمؐ نے عبداللہ رکھا[1] اور وہ اسی نام سے مشہور ہوئے۔ عبداللہ بن سلامؓ کی آپ بیتی ابھی ختم نہیں، ان کا وہ واقعہ اس آپ بیتی میں شامل کرنے کے لائق ہے جسے انہوں نے خود بڑے ڈرامائی انداز میں پیش کیا۔

مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے یہودیوں کو ہنوز نہیں بتایا تھا کہ ایک دن حضورؐ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ یہود جھوٹے ہیں میں ان کے جھوٹ کا پول آپ کے سامنے کھولنا چاہتا ہوں، میں آڑ میں ہوا جاتا ہوں، آپ یہودی علماء اور ان کے عوام کو بلائیں اور میرے بارے میں ان کی رائے لیں، دیکھیے وہ میرے متعلق کیا کہتے ہیں، پھر جب انہیں معلوم ہوگا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں تو دیکھیے وہ کیا کہتے ہیں۔

حضورؐ نے ایسا ہی کیا یہودیوں کو بلایا۔ باتیں کرتے کرتے پوچھا۔ "حصین بن سلام تم میں کیسے آدمی ہیں؟" یہودیوں نے جواب دیا۔ "وہ ہمارے سردار ہیں اور ہمارے ایک سردار کے فرزند ارجمند ہیں۔ ہمارے ایک بڑے آدمی ہیں اور نہایت بلند پایہ عالم و فاضل۔"

یہودی جب سب کچھ کہہ چکے تو حضرت عبداللہ بن سلام فوراً سامنے آ گئے اور بولے: "اے گروہ یہود! خدا کا خوف کرو جو دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں اسے قبول کرلو۔ خدا کی قسم! تم خود سمجھتے ہو کہ آپؐ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ تم حضورؐ کی صفات اور آپؐ کے نام مبارک کا تذکرہ توریت میں لکھا دیکھتے ہو تو میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور میں آپؐ پر ایمان لاتا ہوں اور آپؐ کی تصدیق کرتا ہوں اور آپؐ کو پہنچانتا ہوں۔"

یہود یہ سب دیکھ اور سن کر بہت سٹپٹائے۔ انہوں نے تلملا کر جواب دیا۔ "تم جھوٹے ہو اور ایسے اور ایسے ہو۔" عبداللہ بن سلامؓ نے حضورؐ سے کہا "میں نے حضورؐ سے کہا نہ تھا کہ یہ ایک جھوٹا گروہ ہے دیکھ لیا آپ نے انہیں۔"

اللہ کی سلامتی ہو، عبداللہ بن سلامؓ پر اور ان سب پر جو اسلام لائے اور اس حالت میں اللہ کو پیارے ہوئے کہ وہ مسلمان ہی تھے۔

---

[1] حصین جب مسلمان ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔ یہ وہی عبداللہ ہیں جو عبداللہ بن سلام مشہور ہوئے اور انہوں نے اسلام کی بڑی خدمات کیں۔

تلاش حق

حضرت سلمان فارسیؓ کی آپ بیتی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینے پہنچ چکے تھے۔آپ کے تشریف لانے کے کچھ ہی دنوں کے بعد ایک شخص خدمت میں آیا، اس کے پاس کھانے کی کچھ چیزیں تھیں، اس نے حضورؐ سے عرض کیا ''میں نے سنا ہے کہ آپ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں اور کچھ ضرورت مند اورغریب الوطن آپ کے ساتھ ہیں، میرے پاس صدقے کی کچھ چیزیں رکھی تھیں، آپ صاحبان سے زیادہ ان چیزوں کا حق دار اور کون ہوسکتا ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ انہیں قبول فرمائیں۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے صدقے کی چیزیں لے لیں اور لوگوں میں تقسیم کر کے حکم دیا کہ کھائیں۔آپؐ نے صدقہ کی چیزوں میں سے اپنے لیے کچھ نہ لیا اور نہ کھایا۔اس شخص نے پوچھا ''حضرت! آپ نے اس میں سے کچھ نہیں کھایا؟'' آپؐ نے جواب دیا کہ میں صدقہ نہیں کھاتا۔

یہ سن کر وہ شخص واپس چلا گیا۔دوسرے دن پھر آیا۔دوسرے دن بھی کچھ چیزیں لایا تھا۔حضورؐ کی خدمت میں پیش کر کے کہا ''کل آپ نے صدقہ کی چیزیں نہیں کھائیں۔آج میں یہ تحفہ لے کر حاضر ہوا ہوں۔آپ میرا تحفہ قبول فرمائیں۔'' آپؐ نے تحفہ قبول فرمایا، اس میں سے خود کھایا اور دوسروں کو بھی دیا۔

اب وہ شخص بار بار آپ کے شانوں کی طرف نظریں ڈالنے لگا۔اچانک آپ کی چادر کندھوں سے سرک گئی۔اس نے دیکھا کہ حضورؐ کے شانوں کے درمیان کبوتر کے انڈے کے برابر ابھرا ہوا گوشت ہے اور اس پر بال اور سرسوں کے برابر دانے سے ہیں، وہ شخص اسے چومنے

جھکا آپؐ نے دیکھا تو اس سے فرمایا: ''سامنے آؤ۔'' وہ شخص سامنے آیا، فرمایا: ''پہلے اپنا تعارف کراؤ، تم ہو کون، کہاں سے آئے ہو اور تمہارے آنے کا مقصد کیا ہے؟ یہ کہہ کر آپؐ نے تمام صحابہؓ کو بلوا بھیجا۔ تمام صحابہ کے مجمع میں اس شخص نے نبی کریم سے اس طرح اپنی آپ بیتی سنانا شروع کی، اس نے کہا:

''میرا نام ''مابہ'' ہے، میں اصفہان کے ''جی'' نامی گاؤں کا رہنے والا ہوں، میں ''آب الملک'' خاندان سے تعلق رکھتا ہوں، اور میرے باپ دادا کا مذہب مجوسی ہے۔ میرے والد ''جی'' کے زمیندار اور وہاں کے کاشتکار ہیں۔ میرے والد مجھ سے اس درجہ محبت کرتے تھے کہ کسی وقت گھر سے باہر نکلنے نہ دیتے۔ چونکہ مجوسی آتش پرست ہوتے ہیں اور کسی وقت آگ بجھنے نہیں دیتے۔ اس لیے میرے والد نے میرے ذمہ یہ خدمت لگا دی کہ میں آگ بجھنے نہ دوں۔ میں کنواری لڑکیوں کی طرح گھر میں رہتا اور رات دن آگ کی نگرانی کرتا رہتا۔ میرے بچپن ہی میں میرا اشمار ان پجاریوں میں ہونے لگا جو آگ کی حفاظت میں مشہور تھے۔

میں بتا چکا کہ میرے باپ زمیندار تھے اور خود کاشتکار بھی، اس لیے کھیتوں کی دیکھ بھال وہ خود ہی کرتے تھے، ایک دن وہ گھر کی مرمت میں لگے تھے۔ کھیت پر جانے کے لیے وقت نہ نکال سکے تو مجھے بھیج دیا، اب میں بچہ نہیں تھا۔ میرے اندر شعور بیدار ہو چکا تھا۔ میں نوجوانی کی حدیں چھوڑ رہا تھا۔ میں کھیتوں کی دیکھ بھال کے لیے چلا۔ راستہ میں ایک گرجا گھر نظر پڑا، اس وقت اس میں عبادت ہو رہی تھی۔ میں کھڑا ہو کر دیکھنے لگا۔ پھر گرجا میں جا کر قریب سے دیکھا، عیسائیوں کی عبادت کا اثر میرے دل پر پڑا۔ میری زبان سے نکلا ''یہ مذہب ہمارے مذہب سے اچھا ہے۔'' اور پھر میں کھیتوں پر نہیں گیا۔ میں نے عیسائیوں سے پوچھا ''تمہارے مذہب کا مرکز کہاں ہے؟'' انہوں نے بتایا شام میں۔

بڑی دیر کے بعد میں گھر لوٹا، باپ نے پوچھا ''اب تک کہاں تھے؟'' جواب دیا ''کچھ لوگ گرجا میں عبادت کر رہے تھے، مجھ کو ان کا طریقہ پسند آیا اور میں دیکھنے لگا۔'' میرے باپ نے کہا ''وہ مذہب ہمارے مذہب کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔'' میں نے جواب دیا ''ابا جان! خدا کی قسم وہ مذہب ہمارے مذہب سے کہیں اچھا ہے۔'' میرے اس جواب سے میرے والد کھٹکے، انہیں اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں لڑکا مذہب تبدیل نہ کر دے، آتش پرستی چھوڑ کر عیسائی نہ

ہو جائے۔ انہوں نے مجھے گھر میں قید کر دیا لیکن اس قید سے میرے دل کی آگ بھڑکی، میں نے عیسائیوں کے پاس کہلا بھیجا کہ جب وہ شام جائیں تو مجھے اطلاع ضرور دیں۔

کچھ دنوں کے بعد ایک قافلہ شام کو جانے والا تھا، مجھے خبر ملی۔ میں جیسے تیسے قید سے نکل کر بھاگا اور قافلے کے ساتھ شام کی طرف چل دیا۔ وہاں پہنچا تو میں نے لوگوں سے پوچھا "یہاں سب سے بڑا مذہبی آدمی کون ہے؟" لوگوں نے وہاں کے پادری کا پتہ بتا دیا۔ میں پادری کے پاس پہنچا اس نے کہا "مجھ کو تمہارا مذہب بہت پسند ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس رہ کر مذہبی تعلیم حاصل کروں اور تم مجھ کو اپنے مذہب میں داخل کر لو۔" یہ سن کر پادری نے مجھے عیسائی بنا لیا۔

میں اس پادری کے پاس رہنے لگا۔ مجھے محسوس ہوا کہ یہ پادری بڑا بدکردار اور بد اخلاق ہے، دوسروں کو صدقہ کرنے کو کہتا ہے اور جب لوگ اسے صدقے کی رقم دے جاتے ہیں تو خود رکھ لیتا ہے، غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم نہیں کرتا۔ اس حریص پادری نے سونے اور چاندی کے سات مٹکے جمع کیے، میں اس کا لالچ دیکھ دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھتا لیکن ڈر کے مارے کچھ نہیں کہتا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ مر گیا تو عیسائی اپنے پادری کو بڑی شان کے ساتھ دفنانے کے لیے جمع ہوئے۔ اس وقت میں انے اس کا کچا چٹھا کہہ سنایا۔ لوگوں نے پوچھا کہ تم کو کیسے معلوم ہو؟ میں نے انہیں لے جا کر سونے چاندی کے مٹکے دکھا دیے۔ عیسائیوں کو بڑا غصہ آیا، انہوں نے پادری کی لاش کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ پھر اس قدر پتھر مارے کہ لاش پتھروں میں چھپ گئی۔

اس پادری کی جگہ دوسرا پادری آیا۔ یہ سچ مچ بڑا پرہیزگار اور بے نیاز پادری تھا۔ یہ رات دن خدا کی یاد میں لگا رہتا۔ میں اس سے محبت کرنے لگا اور جب تک وہ زندہ رہا اسی کے ساتھ رہا۔ جب وہ مرنے لگا تو میں نے اس سے کہا "میں آپ کی خدمت میں عرصے سے ہوں اور میں آپ سے محبت کرتا ہوں اب آپ کا آخری وقت ہے۔ اس لیے میں آپ سے ہدایت چاہتا ہوں کہ میں آپ کے بعد کہاں جاؤں اور کیا کروں؟" اس نے کہا "میں بالکل سچ کہتا ہوں اور بتاتا ہوں کہ آج دنیا میں کوئی بھی ایسا عیسائی نہیں ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم ٹھیک ٹھیک جانتا ہو اور آنحضرت کا سچا پیرو ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچے پیرو مر کھپ گئے اور جو عیسائی آج دنیا میں موجود ہیں انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو بدل ڈالا۔ بہت کچھ نکال دیا اور بہت کچھ اپنی طرف سے گڑھ کر ملا دیا۔ افسوس تو یہ ہے کہ بہت سے اصولوں میں

کتر بیونت کی اور کئی عقیدے چھوڑ دیے، لیکن ٹھہرو، میں تم کو بتاتا ہوں۔ تم میرے بعد ''موصل'' جانا، وہاں کا پادری دین حق کا سچا پیرو ہے، تم جا کر اس سے ملنا۔''

اس پادری کی موت کے بعد میں ''موصل'' پہنچا۔ تلاش کر کے وہاں کے پادری سے ملا۔ اس سے اپنا حال کہا اور بتایا کہ میں شام کے پادری کی ہدایت کے بموجب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ موصل کا پادری یہ سن کر بہت خوش ہوا، اس نے مجھے اپنے پاس ٹھہرا لیا۔ درحقیقت یہ پادری بھی بڑا متقی اور پاک باز تھا، لیکن افسوس کہ میں اس کے پاس زیادہ دنوں نہ رہ سکا۔ موت کے فرشتے نے بہت جلد اسے آلیا میں نے اس کے مرنے سے پہلے اس سے پوچھا کہ ''اب میں کہاں جاؤں؟'' تو اس نے ''نصیبین'' کے ایک بشپ کا پتہ بتا دیا۔

اس پادری کی موت کے بعد میں ''نصیبین'' پہنچا۔ اس سے سارا حال کہا۔ اس نے بھی مجھے اپنے پاس ٹھہرا لیا اور میں اس سے روحانی فیض حاصل کرنے لگا۔ لیکن یہ بشپ بھی زیادہ دنوں زندہ نہ رہا، پھر اس کے مشورے سے میں عموریہ کے بشب کے پاس گیا۔ درحقیقت عموریہ کا بشب ان سب سے بڑا عالم اور عابد و زاہد تھا۔ میں نے سب سے زیادہ اس کی خدمت کی ایک دن وہ بہت خوش تھا تو میں نے اس سے کہا۔

سمجھ کر رہنما ہر رہنما کے ہولیا پیچھے
ہوا لیکن نہ طے میرا سفر اول سے آخر تک

وہ میری بات پا گیا۔ وہ ایک گہرے سوچ میں پڑ گیا، میں نے اس سے التجا کی کہ خدا کے واسطے میرا انتظام کیے جایئے، کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی جلد ہی اپنے پاس بلا لے گا۔ اس بشب نے بڑی محبت اور رازداری کے ساتھ کہا ''بیٹا! میں تمہارے لیے کیا انتظام کروں؟ اب دنیا میں کوئی ایسا نہیں ہے جس سے ملنے کا مشورہ دوں، لیکن ایک خوش خبری سناتا ہوں، اب اس نبی کے ظہور کا وقت بالکل قریب ہے جس کی خبر ہماری کتابوں میں دی گئی ہو، سنو، وہ نبی عرب کے ریگستان سے اٹھے گا اور دین ابراہیم کو زندہ کرے گا۔ وہ کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کرے گا، تم اسے دو نشانیوں سے پہچان لو گے، وہ نبی صدقے کو اپنے اوپر حرام سمجھے گا اور اس کے دونوں شانوں کے درمیان کبوتر کے انڈے کے برابر ایک نشان ہو گا، جس پر بال ہوں گے اور سرسوں کے برابر کچھ دانے سے ہوں گے۔ لوگ اس نشان کو مہر نبوت کہیں گے، خدا

تم کو زندہ رکھے، بیٹا! تم اس نبی سے ضرور ملنا، اس سے مل کر تم اپنی مراد پالو گے۔''

میں اس مہربان اور نیک بشب کی خدمت میں رہتا رہا آخر اسے بھی اللہ نے بلالیا۔ اس کے بعد میں ایک ایسے قافلے کے ساتھ ہولیا جو عرب کی طرف جارہا تھا، اس قافلے میں بنوکلب کے لوگ تھے، انہوں نے میرے ساتھ دھوکا کیا۔ وادی القریٰ پہنچے تو مجھے اکیلا جان کر پکڑا اور ایک یہودی کے ہاتھ بیچ دیا۔ اس یہودی نے اپنے چچازاد بھائی کے ہاتھ بیچ دیا، یہ مجھ کو لے کر مدینہ آیا، یہاں میں نے کھجوروں کے باغ دیکھے تو مجھے آس بندھی کہ شاید یہیں میں اپنے گوہر مطلوب کو پالوں۔

اے اللہ کے برگزیدہ بندو! اب میری طرف اچھی طرح متوجہ ہو جاؤ،

ایک دن میں اپنے مالک یہودی کے باغ میں ایک کھجور پر ایک کام سے چڑھا۔ میرا آقا نیچے بیٹھا تھا، اتنے میں اس کا چچازاد بھائی آیا۔ اس نے آتے ہی کہا ''خدا بنی قیلہ'' کو غارت کرے، سب کے سب قبا میں ایک شخص کے پاس جمع ہیں، جو مکے سے آیا ہے۔ یہ لوگ اسے نبی سمجھتے ہیں۔'' یہ جو میں نے سنا تو میرے بدن میں سنسناہٹ پیدا ہوگئی۔ درخت پر میرے پیر کانپنے لگے، مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے میری ٹانگوں کی طاقت کھینچ لی ہے، قریب تھا کہ میں درخت سے گر پڑتا لیکن جیسے تیسے میں نیچے اتر آیا، اس وقت میں بالکل بدحواس تھا۔ میں پوچھ بیٹھا کہ ''تم کیا کہتے ہو اور کسی کا ذکر کر رہے ہو۔'' میرے یہ پوچھنے پر میرے آقا نے گھونسہ مار کر کہا'' تجھ کو کیا، اپنا کام کر۔'' میں چپ ہو رہا، لیکن اب مجھ سے صبر نہ ہو سکا۔

اے اللہ کے برگزیدہ بندو! میرے پاس کھانے کی کچھ چیزیں تھیں، کل میں انہیں لے کر حاضر ہوا تھا اور صدقہ کہہ کر پیش کیں، آنحضرت نے صدقے کی چیزیں دوسروں کو بانٹ دیں اور خود نوش نہیں فرمائیں تو ایک نشانی صحیح ثابت ہوئی۔ آج میں ہدیہ لے کر آیا تو آنحضرت نے خود کھایا اور دوسروں کو بھی دیا اور میں نے آنحضرت کے شانہ ہائے مبارک کے درمیان مہر نبوت کو بھی دیکھ لیا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرتؐ اللہ کے نبی ہیں اور میں آپؐ پر ایمان لاتا ہوں۔''

اس جہاندیدہ بزرگ کی آپ بیتی ختم ہوگئی لیکن یہ آپ بیتی ختم نہیں ہوسکتی جب تک کہ ہم یہ نہ بتادیں کہ یہ جہاندیدہ بزرگ مابہ اسلام میں کس نام سے مشہور ہوئے۔ مسلمان ہونے کے بعد ان کا نام ''سلمان'' رکھا گیا۔ وہی سلمان جو سلمان فارسیؓ مشہور ہیں اور جامع البحرین کہے جاتے ہیں، یعنی انہوں نے مذہب عیسوی اور اسلام کی تعلیمات پوری کی پوری حاصل کی تھیں

اور انہیں دونوں مذہبوں کی تعلیمات پر عبور تھا۔

یہی سلمان فارسی رضی اللہ عنہ آگے چل کر اتنے بڑے صحابی ہوئے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ جیسے صف اول کے صحابی انہیں ناراض کرنا اپنی بدبختی سمجھتے تھے، ایک بار صدیق اکبرؓ نے صرف ایک بار حضرت سلمان فارسیؓ کی بات کو رد کر دیا تھا تو حضورؐ نے فرمایا: ''ابوبکرؓ! کیا تم نے سلمان کو ناراض کر دیا۔ اگر تم نے انہیں ناراض کر دیا تو خدا کو بھی ناراض کر دیا۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا تو صدیق اعظم رضی اللہ عنہ بھاگے ہوئے ان کے پاس گئے اور معذرت کر کے منالیا۔ یہ تھی حضرت سلمانؓ فارسی کی آپ بیتی جو انہوں نے خود بیان فرمائی، محدثین اور مورخین نے ان کے متعلق کیا لکھا ہے؟ یہ اس وقت ہمارا موضوع نہیں ہے، اگر کوئی اللہ کا بندہ ان کے فضائل دیکھنا چاہے تو کتابیں ان کے فضائل اور ان کی اسلامی خدمات سے بھری پڑی ہیں، وہ دیکھ سکتا ہے، اگر وہ ایسا کرے گا تو انشاء اللہ ایک ایسا نمونہ پالے گا جس کے مطابق عمل کر کے وہ اپنے اللہ کو خوش کر سکتا ہے۔

رضی اللہ عنہ

واقعۂ افک

ام المومنین حضرت عائشہؓ کی آپ بیتی

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ جب آپ سفر پر جانے لگتے تو قرعہ ڈال کر فیصلہ فرماتے کہ آپ کی بیویوں میں سے کون آپ کے ساتھ جائے۔ غزوۂ بنی المصطلق کے موقعہ پر قرعہ میرے نام نکلا اور میں آپ کے ساتھ گئی۔ واپسی پر جب ہم مدینے کے قریب تھے تو ایک منزل پر رات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑاؤ کیا اور ابھی رات کا کچھ حصہ باقی تھا کہ کوچ کی تیاریاں شروع ہوگئیں، میں اٹھ کر رفع حاجت کے لیے گئی اور جب پلٹنے لگی تو قیام گاہ کے قریب پہنچ کر محسوس ہوا کہ میرے گلے کا ہار ٹوٹ کر کہیں گر پڑا ہے۔ میں اسے تلاش کرنے میں لگ گئی اور اتنے میں قافلہ روانہ ہوگیا۔ قاعدہ یہ تھا کہ میں کوچ کے وقت اپنے کجاوے میں بیٹھ جاتی تھی اور چار آدمی اسے اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا کرتے تھے۔ ہم عورتیں اس زمانہ میں غذا کی کمی کے سبب بہت دبلی اور ہلکی پھلکی تھیں، میرا کجاوہ اٹھاتے وقت لوگوں کو یہ محسوس ہی نہیں ہوا کہ میں اس میں ہوں یا نہیں؟ وہ بے خبری میں خالی کجاوہ اونٹ پر رکھ کر روانہ ہوگئے۔ میں جب ہار لے کر پلٹی تو وہاں کوئی نہ تھا۔ آخر اپنی چادر اوڑھ کر وہیں لیٹ گئی اور دل میں سوچ لیا کہ آگے جا کر جب یہ لوگ مجھے نہ پائیں گے تو خود ہی میری تلاش میں یہاں آئیں گے۔ اسی حالت میں مجھ کو نیند آ گئی۔ صبح کے وقت صفوان[1] بن معطل سلمیؓ اس جگہ سے گزرے، جہاں میں سو رہی تھی، انہوں نے مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا کیونکہ پردے کا حکم آنے سے پہلے وہ مجھے بارہا دیکھ چکے تھے،

---

[1] صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ کو حضورؐ نے سفر میں اس کام پر مقرر فرمایا تھا کہ وہ قافلے کے روانہ ہونے کے بعد صبح کی روشنی میں روانہ ہوں اور روانہ ہونے سے پہلے دیکھ لیں کہ قیام گاہ پر کسی کی کوئی چیز تو نہیں رہ گئی ہے، حضرت صفوانؓ بدری صحابہ میں سے تھے۔

مجھے دیکھ کر انھوں نے اونٹ روک لیا اور بے ساختہ ان کی زبان سے اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن نکلا۔ اور پھر پکارے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی یہیں رہ گئیں۔ اس آواز سے میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اٹھ کر فوراً اپنے منھ پر چادر ڈال لی، انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ لاکر اپنا اونٹ میرے پاس بیٹھا دیا اور الگ ہٹ کر کھڑے ہوگئے۔ میں اونٹ پر سوار ہوگئی اور وہ نکیل پکڑ کر روانہ ہوگئے، دوپہر کے قریب ہم نے لشکر کو جالیا جبکہ وہ ایک منزل پر ہی پہنچا تھا اور لشکر والوں کو ابھی یہ پتہ ہی نہ چلا تھا کہ میں پیچھے چھوٹ گئی ہوں۔ اس پر بہتان اٹھانے والوں نے بہتان اٹھادیے اور ان میں سے پیش پیش عبداللہ بن[1] ابی تھا۔ مگر میں اس سے بے خبر تھی کہ مجھ پر کیا باتیں بن رہی ہیں۔

مدینہ پہنچ کر میں بیمار ہوگئی اور ایک مہینے کے قریب پلنگ پر پڑی رہی، شہر میں اس بہتان کی خبریں اڑ رہی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں تک بھی بات پہنچ چکی تھی مگر مجھے

---

[1] عبداللہ بن ابی مدینے کے منافقوں کا مڈھ تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے شدید دشمنی رکھتا تھا، مدینے میں وہ اتنا بااثر آدمی تھا کہ ہجرت سے پہلے انصار مدینہ اسے اپنا بادشاہ تسلیم کرنے کو تیار ہوگئے تھے لیکن حضورؐ کے پہنچنے پر اس کی یہ اسکیم خاک میں مل گئی۔ اس ناکامی پر اس کمینہ پن پر اتر آیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف آئے دن بہتان طرازیاں کیا کرتا۔ چونکہ مدینے میں اسلام کا غلبہ تھا اس لیے کھل کر مخالفت کرنا اس کے بس میں نہ تھا۔ کمینہ خصلت لوگوں کا خاصہ ہوتا ہے کہ جب وہ دوسروں کی خوبیاں اور اپنی کمزوریاں دیکھتے ہیں اور یہ بھی جان لیتے ہیں کہ دوسروں کی خوبیاں بڑھ رہی ہیں اور خود ان کی کمزوریاں انہیں گرا رہی ہیں۔ تو وہ یہ نہیں کرتے کہ اپنی اصلاح کرلیں بلکہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ دوسروں کو بدنام کردیں اور گڑھ گڑھ کر ایسے الزام لگائیں کہ دوسروں کی خوبیاں بے داغ نظر نہ آئیں، یہی ذہن عبداللہ بن ابی کا تھا۔ اس نے اس وقت بھی حضورؐ پر تہمت لگائی جب آپؐ نے اپنے منھ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہؓ کی اہلیہ محترمہ کے ساتھ ان کے طلاق دینے پر شادی کرلی تھی اور اب حضرت عائشہؓ کے پیچھے پڑگیا، اس موقع پر اس نے سوچا کہ موقعہ اچھا ہے اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ باہم لڑ جائیں تو اسلام کا نام ونشان مٹ جائے گا۔ چنانچہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت صفوانؓ کے ہمراہ لشکر میں تشریف لائیں تو اس نے پکار کر کہا خدا کی قسم! یہ بچ کر نہیں آئی ہے۔ لو دیکھو، تمہارے نبی کی بیوی نے رات ایک غیر شخص کے ساتھ گزاری اور اب وہ علانیہ لیے چلا آرہا ہے۔ (نعوذ باللہ منہا)

اس بہتان پر کلام اللہ میں تبصرہ موجود ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر اس وقت حضورؐ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، اور دوسرے صحابہ کرام انتہائی ضبط وتحمل سے کام نہ لیتے تو عبداللہ بن ابی اپنی چال میں کامیاب ہوجاتا لیکن اللہ نے اس کی مراد پوری نہ ہونے دی۔ سورۂ نور میں اس واقعہ پر نہایت سنجیدگی سے تبصرہ آیا ہے جس کی تفصیل حضرت عائشہؓ کی اس آپ بیتی میں پائی جاتی ہے۔

کچھ پتہ نہ تھا۔ البتہ یہ بات کھٹکتی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ توجہ میری طرف نہیں جو بیماری کے زمانے میں ہوا کرتی ہے۔ آپ گھر میں آتے تو گھر والوں سے صرف یہ پوچھتے کہ یہ کیسی ہیں؟ خود مجھ سے بات نہ کرتے۔ اس سے مجھے شبہ ہوتا کہ کوئی بات ضرور ہے۔ آخر میں آپ سے اجازت لے کر اپنی ماں کے گھر چلی گئی تا کہ وہ میری تیمارداری اچھی طرح کر سکیں۔

ایک روز رات کے وقت میں حاجت کے لیے مدینے کے باہر گئی۔ اس وقت تک ہمارے گھروں میں یہ بیت الخلا نہ تھے۔ ہم لوگ رفع حاجت کے لیے جنگل ہی جایا کرتے تھے، میرے ساتھ مسطح بن اثاثہ کی ماں بھی تھیں جو میرے والد کی خالہ زاد بہن تھیں، راستے میں ان کو ٹھوکر لگی، ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا ''مسطح غارت ہو۔'' میں نے کہا ''تم بھی خوب ماں ہو کہ بیٹے کو کوستی ہو اور بیٹا بھی وہ جس نے بدر کی لڑائی میں حصہ لیا۔'' انہوں نے کہا ''بٹیا! کیا تجھے اس کی باتوں کی کچھ بھی خبر نہیں! پھر انہوں نے سارا قصہ سنایا کہ فتنہ پرداز کیا من گھڑت باتیں میرے متعلق اڑا رہے ہیں، یہ داستان سن کر میرا خون خشک ہو گیا، میں رفع حاجت بھول گئی، جس کے لیے آئی تھی، سیدھی گھر لوٹی اور رات بھر رو رو کر کاٹی۔

میرے پیچھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ اور اسامہ بن زیدؓ کو بلایا اور ان سے مشورہ طلب کیا۔ اسامہؓ نے میرے حق میں کلمۂ خیر کہا۔ عرض کیا ''یا رسول اللہ! بھلائی کے سوا آپ کی بیوی میں کوئی چیز ہم نے نہیں پائی یہ سب جھوٹ اور تہمت ہے جو اڑایا جا رہا ہے۔ رہے علیؓ تو انہوں نے کہا ''یا رسول اللہ! عورتوں کی کمی نہیں ہے آپ اس کی جگہ دوسری بیوی کر سکتے ہیں اور تحقیق کرنا چاہیں تو خدمت گار لونڈی کو بلا کر پوچھ لیں۔'' چنانچہ لونڈی کو بلایا گیا اور پوچھ گچھ کی گئی، اس نے کہا ''اس خدا کی قسم! جس نے حق کے ساتھ آپ کو بھیجا ہے، میں نے ان میں کوئی برائی نہیں دیکھی، جس پر حرف آئے، بس اتنا عیب ہے کہ میں آٹا گوند کر کسی کام کو جاتی ہوں اور کہہ جاتی ہوں کہ بیوی! ذرا آٹے کا خیال رکھنا مگر وہ سو جاتی ہیں اور بکری آ کر آٹا کھا جاتی ہے۔''

اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت زینبؓ سے بھی دریافت فرمایا جن سے میرا برابری کا مقابلہ رہتا تھا اللہ ان کو جزائے خیر دے۔ انہوں نے گواہی دی کہ یا رسول اللہ! خدا کی قسم میں اس کے اندر بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں جانتی (حالانکہ حضرت زینب چاہتیں تو اس وقت حضرت عائشہؓ کو حضورؐ کی نظروں سے گرا سکتی تھیں)۔

اسی روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا ''مسلمانو! کون ہے جو اس شخص کے حملے سے میری عزت بچائے جس نے میرے گھر والوں پر الزام لگا کر مجھے اذیت پہنچانے کی حد کردی، بخدا! میں نے نہ تو اپنی بیوی ہی میں کوئی برائی دیکھی ہے اور نہ اس شخص میں جس کے متعلق تہمت لگائی جاتی ہے، وہ تو کبھی میری غیر موجودگی میں میرے گھر آیا بھی نہیں۔''

یہ سن کر اسید بن حضیرؓ یا سعد بن معاذؓ نے اٹھ کر کہا ''یارسول اللہؐ! اگر وہ ہمارے قبیلے کا آدمی ہے تو ہم اس کی گردن ماردیں، اور اگر ہمارے بھائی خزرجیوں میں سے ہے تو آپ حکم دیں، ہم تعمیل کے لیے حاضر ہیں۔'' یہ سنتے ہی سعد بن عبادہؓ (رئیس خزرج) اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے ''جھوٹ کہتے ہو، تم ہرگز اسے نہیں مار سکتے۔ تم اس کی گردن مارنے کا نام صرف اس لیے لے رہے ہو کہ وہ خزرج[1] میں سے ہے۔ اگر وہ تمہارے قبیلے کا آدمی ہوتا تو تم کبھی یہ نہ کہتے کہ ہم اس کی گردن ماردیں گے۔'' اسید بن حضیرؓ نے جواب میں کہا ''تم منافق ہو اسی لیے منافقوں کی حمایت کرتے ہو۔'' اس پر مسجد نبوی میں ایک ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف رکھتے تھے قریب تھا کہ اوس اور خزرج مسجد ہی میں لڑ پڑتے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو ٹھنڈا کیا۔ اور پھر منبر سے اتر آئے۔

اس بہتان کی افواہیں کم وبیش ایک مہینے تک شہر میں اڑتی رہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سخت اذیت میں مبتلا رہے، آخر کار ایک روز حضورؐ تشریف لائے اور میرے پاس بیٹھے، اس پوری مدت میں آپؐ کبھی میرے پاس نہ بیٹھے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اور ام رومانؓ (حضرت عائشہؓ کی والدہ محترمہ) نے محسوس کیا کہ آج کچھ فیصلہ کن بات ہونے والی ہے، اس لیے وہ دونوں بھی آکر پاس ہی بیٹھ گئے۔ حضورؐ نے فرمایا: ''مجھے تمہارے متعلق یہ خبریں پہنچی ہیں اگر تم بے گناہ ہو تو امید ہے کہ اللہ تمہاری برأت ظاہر فرمادے گا اور اگر واقعی تم سے گناہ ہوگیا ہے تو اللہ سے توبہ کرو اور معافی مانگو۔ بندہ جب اپنے گناہوں کا اقرار کر کے توبہ کرتا ہے تو اللہ معاف کردیتا ہے۔'' یہ بات سن کر

---

[1] یہ اشارہ ہے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی طرف جو قبیلہ خزرج سے تھا۔ اس فتنہ پرور نے ایک شوشہ چھوڑ کر بیک وقت کئی شکار کرنے کی کوشش کی۔ ایک طرف اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عزت پر حملہ کیا، دوسری طرف اس نے اسلامی تحریک کے بلند ترین اخلاق کو گرانے کی کوشش کی۔ تیسری طرف ایک ایسی چنگاری پھینکی تھی کہ اگر اسلام اپنے پیرووں کی کایا نہ پلٹ چکا ہوتا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضبط وتحمل سے کام نہ لے رہے ہوتے تو مہاجرین اور انصار اور انصار کے دونوں قبیلے اوس اور خزرج میں تلواریں چل جاتیں۔

میرے آنسو خشک ہو گئے۔ میں نے اپنے والد سے عرض کیا کہ آپ رسول اللہؐ کی بات کا جواب دیں۔ انہوں نے فرمایا ''بیٹی! میری سمجھ میں کچھ آتا ہی نہیں کہ کیا کہوں؟''

والد صاحب خاموش ہوئے تو میں نے اپنی والدہ سے کہا'' آپ ہی کچھ کہیں!'' انہوں نے بھی یہی کہا کہ میں حیران ہوں، کیا کہوں؟ اب میں بولی آپ لوگوں کے کانوں میں ایک بات پڑ گئی ہے اور دلوں میں بیٹھ چکی ہے، اب اگر میں کہوں کہ میں بے گناہ ہوں اور اللہ گواہ ہے کہ میں بے گناہ ہوں تو آپ لوگ نہ مانیں گے اور اگر خواہ مخواہ ایک ایسی بات کا اقرار کرلوں جو میں نے نہیں کی اور اللہ جانتا ہے کہ میں نے نہیں کی تو آپ لوگ مان لیں گے۔ میں نے اس وقت حضرت یعقوبؑ[1] کا نام لینے کی کوشش کی مگر نہ یاد آیا۔ آخر میں نے کہا، اس حالت میں میرے لیے اس کے سوا اور کیا چارہ ہے کہ وہی بات کہوں جو حضرت یوسف کے والد نے کہی تھی کہ "فَصَبْرٌ جَمِيلٌ۔"

یہ کہہ کر میں لیٹ گئی اور دوسری طرف کروٹ لے لی۔ میں اس وقت اپنے دل میں کہہ رہی تھی کہ اللہ میری بے گناہی سے واقف ہے اور وہ ضرور حقیقت کھول دے گا۔ اگرچہ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ میرے حق میں وحی نازل ہوگی جو قیامت تک پڑھی جائے گی۔ میں اپنی ہستی کو اس سے کمتر سمجھتی تھی کہ اللہ خود میری طرف سے بولے۔ میرا تو یہ خیال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی خواب دیکھیں گے، جس میں اللہ تعالیٰ میری طرف سے برأت ظاہر فرما دے گا۔

اتنے میں اچانک حضورؐ پر وہ کیفیت طاری ہوگئی جو وحی نازل ہوتے وقت ہوا کرتی تھی، یہاں تک کہ سخت جاڑے کی زمانے میں بھی موتی کی طرح آپ کے چہرے سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگتے تھے ہم سب خاموش ہو گئے۔ میں تو بالکل بے خوف تھی مگر میرے والدین کا یہ حال تھا کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ وہ ڈر رہے تھے کہ دیکھیے اللہ کیا حقیقت کھولتا ہے، جب وہ کیفیت دور ہوئی تو حضورؐ بے حد خوش تھے۔ آپؐ نے ہنستے ہوئے پہلی بات جو فرمائی وہ یہ تھی کہ مبارک ہو عائشہ! اللہ نے تمہاری برأت نازل فرمادی اور اس کے بعد حضورؐ نے دس آیتیں سنائیں۔ (سورۂ نور آیات ۱۱ تا ۲۱)

میری والدہ نے کہا کہ'' اٹھو اور رسول اللہ کا شکریہ ادا کرو''، میں نے کہا'' میں نہ ان کا

---

[1] یہ اشارہ ہے اس واقعہ کی طرف جبکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے ان کے بیٹے بن یمین پر چوری کا الزام لگایا گیا تھا۔ سورۂ یوسف رکوع ۱۰ میں اس کا ذکر ہے۔

شکریہ ادا کروں گی ، نہ آپ دونوں کا بلکہ اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں، جس نے میری برأت نازل فرمائی۔آپ لوگوں نے تو اس بہتان کا انکار تک نہ کیا۔

نوٹ: واضح رہے کہ حضرت عائشہؓ کی یہ آپ بیتی کسی ایک روایت کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ حدیث اور سیرت کی کتابوں میں جتنی روایتیں حضرت عائشہؓ سے بیان ہوئی ہیں، ہم نے ان سب کا خلاصہ پیش کیا ہے،اور یہ خلاصہ تفہیم القرآن جلد سوم سے ماخوذ کر کے کسی قدر آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔

بیٹیاں زندہ در گور

ایک صحابی کی آپ بیتی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اصول تھا کہ فجر کی نماز پڑھ کر ایک طرف بیٹھ جاتے، صحابہؓ آپ کے گرد جمع ہو جاتے، باتیں ہوتیں اگر کسی نے کوئی خواب دیکھا ہوتا تو وہ خواب بیان کرتا، حضورؐ تعبیر بیان فرماتے، کبھی آپ صحابہؓ سے ان کی پچھلی باتیں دریافت فرماتے۔ صحابہؓ بیان کرتے ہیں۔ آپ انہیں نصیحتیں کرتے اور جنت کی نوید سناتے۔

ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابیؓ سے پوچھا کہ تم کو اپنے زمانۂ جاہلیت کا کوئی واقعہ یاد ہے؟ حضورؐ سے یہ سنا تو صحابی چیخ کر رو پڑے۔ حضورؐ نے دلاسا دیا، انہوں نے جواب دیا ”یارسول اللہؐ! ایک بڑا دردناک واقعہ یاد ہے جو میرے ہاتھوں پیش آیا اور وہی واقعہ مجھے آٹھ آٹھ آنسو رلاتا ہے۔“

آپؐ نے انہیں تسلی دی، فرمایا: ”اللہ تم کو معاف فرمائے۔ بتاؤ کیا واقعہ پیش آیا۔“ اس پر وہ اس طرح اپنا دکھڑا سنانے لگے:

”یارسول اللہؐ! میرے گھر میں گیارہ بچیاں پیدا ہوئیں، زمانۂ جاہلیت میں میرے خاندان کے لوگ لڑکیوں کا پیدا ہونا بہت ہی منحوس سمجھتے تھے، یارسول اللہ! یہ بات تو آپ نے بتائی کہ لڑکیوں کا پیدا ہونا رحمت ہے۔ جس دن میں نے آپؐ سے سنا کہ جس کے دو تین بچیاں ہوں اور وہ انہیں اچھی تربیت دے، دین سکھائے اور اچھے خاندان میں بیاہ دے تو وہ آدمی جنت کا حق دار ہو جاتا ہے، یارسول اللہ! اس دن سے میں نے لڑکیوں کی قدر جانی اور اب مجھے اپنی وہ

سب بچیاں اکثر یاد آتی ہیں اور میں اپنی بدنصیبی پر گھنٹوں رویا کرتا ہوں۔''

''تو پھر ان بچیوں کا کیا ہوا؟'' دریافت کیا گیا، جواب دیا۔ ''یارسول اللہ! آپ میرے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے معاف فرمادے، ان بچیوں پر میں نے جو ظلم توڑا۔ اب تو اسے بیان کرتے ہوئے میرا کلیجہ منہ کو آتا ہے۔''

''اللہ تم کو معاف فرمائے۔ بتاؤ کیا حادثہ ہوا؟'' آپؐ نے دعا دی۔

''میں نے ان بچیوں کو دفن کردیا، یارسول اللہ! اس وقت میں کافر تھا، میں نے زمانۂ جاہلیت میں یہ ظلم کیا، آہ! آج میری وہ بچیاں ہوتیں، میں انہیں دین سکھاتا، دین دار اور متقی گھرانوں میں ان کی شادیاں کرتا اور جنت کا حق دار بن جاتا۔''

''اور تم کو کسی پر رحم نہیں آیا؟''

''یارسول اللہ! کبھی رحم نہیں آیا، البتہ آخری بچی پر کسی قدر ترس آیا تھا لیکن میں نے اسے بھی زندہ درگور کردیا، یہ آخری بچی جب میرے گھر پیدا ہوئی تھی تو اس وقت میں موجود نہ تھا، ایک سفر میں تھا۔ سفر میں مجھے چھ سات برس گزر گئے، جب میں گھر آیا تو میں نے دیکھا کہ میرے گھر میں ایک نہایت خوبصورت بچی کھیل رہی ہے، میں نے بیوی سے پوچھا ''یہ کون ہے؟'' اس نے بتایا کہ پڑوسن کی بچی ہے، میں نے اس سے مانگ لیا ہے۔

میری بیوی نے مجھے غلط اطلاع دی، اس ڈر سے کہ کہیں اسے بھی زندہ دفن نہ کردیں۔ مجھے یہ بات بعد میں معلوم ہوئی کہ وہ میری ہی بچی تھی۔ مجھ سے بہت مانوس ہوگئی تھی، وہ میرے پاؤں دباتی، میرے لیے پانی بھرلاتی، پنکھا جھلتی، مجھے نہلاتی، میرے سارے کام کردیتی، وہ بڑی بھولی بھالی اور سیدھی سادی بچی تھی۔ اس کی ان باتوں سے میں اس سے محبت کرنے لگا۔ اتنی محبت کہ اس کے بغیر گھر میں میرا جی نہ لگتا۔ میں جب باہر سے آتا تو اس کے لیے تحفہ ضرور لاتا۔ میں اسے کھلاتا اور اسے پہناتا۔ میری یہ محبت دیکھ کر بیوی نے ایک دن بتا ہی دیا کہ یہ تمہاری اپنی بیٹی ہے، اس کا خیال تھا کہ اب محبت ہوگئی ہے اس لیے اسے دفن نہ کیا جائے گا مگر میں کیا عرض کروں یارسول اللہ! جس وقت مجھے معلوم ہوا کہ وہ میری اپنی بچی ہے، مجھ پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ ہم لوگوں کا خیال تھا کہ لڑکیاں نہ تو کما سکتی ہیں اور نہ لڑائی میں ہمارے ساتھ لڑ سکتی ہیں، پھر ان کا بیاہ کرنا پڑتا ہے اور ہمیں خسر بننا پڑتا ہے، ہم لوگ خسر بننا اپنی کسرِ شان سمجھتے تھے۔ بڑی جہالت

میں پھنسے تھے ہم لوگ۔

پھر یہ ہوا کہ ایک دن میں نے اس لڑکی کو ساتھ لیا۔ راستے میں وہ مجھ سے بڑی پیاری باتیں کر رہی تھی، میں اسے ساتھ لیے جنگل میں پہنچا اور ایک جگہ گڑھا کھودنے لگا۔ بچی نے پوچھا ''ابی! یہ گڈھا کیوں کھود رہے ہو؟'' میں نے اسے کچھ نہیں بتایا۔ بچی گڈھے کے کنارے کھڑی دیکھتی رہی۔ مٹی میرے بدن پر پڑتی تو وہ جھاڑنے لگتی اور کہنے لگی ''ابی! مت کھودیئے گڈھا۔ آپ پر مٹی پڑ رہی ہے۔''

یارسول اللہ! اس کی یہ پیاری باتیں سنیں تو مجھے ذرا ترس آیا تھا لیکن پھر میں نے اپنا دل پکا کر لیا۔ میں گڈھے سے نکلا اور بچی کو اٹھا کر اس میں پھینک دیا اور اوپر سے مٹی ڈال کر اسے دبا دیا، وہ روتی پیٹتی اور چلاتی رہی، وہ رو رو کر کہتی تھی ''ابی! میں دب کر مر جاؤں گی پھر آپ کو کہاں پاؤں گی۔''

میں اسے دبا کر چلا آیا، اب میرے کوئی بچی نہیں، اگر اللہ نے مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میری عاقبت برباد سمجھئے۔ یارسول اللہ! آپ میرے لیے دعا فرمائیں۔

ان صحابی کی درد بھری آپ بیتی سن کر تمام صحابہؓ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے، پھر آپؐ نے فرمایا: ''اللہ تم کو معاف کرے، جاؤ اپنے اللہ سے استغفار کرو۔ عورتوں اور لڑکیوں کے حقوق ادا کرو۔ دیکھو، ان کے چہروں پر تھپڑ نہ مارنا۔ ان کی حفاظت کرنا اور اگر وہ دن میں ستر بار غلطی کریں تو بھی انھیں معاف کر دینا۔''

سچ کی بدولت
حضرت کعب بن مالکؓ کی آپ بیتی

''اوران تینوں کو بھی اس نے معاف کردیا جن کے معاملے کو ملتوی کردیا گیا تھا، جب زمین اپنی پوری وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اوران کی اپنی جانیں بھی دوبھر ہوگئیں اورانھوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچنے کے لیے خود اللہ کے دامن رحمت کے سوا کوئی اور جائے پناہ نہیں ہے تو وہ اپنی مہربانی سے ان کی طرف پلٹا تا کہ وہ اس کی طرف پلٹ آئیں، یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔'' (ترجمہ سورۂ توبہ۔آیت ۱۱۸)

اس آیت میں تین بزرگوں کی نہایت سبق آموز آپ بیتی موجود ہے۔ یہ تینوں حضرات کعب بن مالکؓ، ہلال بن امیہؓ اور مرارہ بن ربیعؓ تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔ ان میں سے پہلے دو یعنی کعبؓ اور ہلالؓ تو بدری صحابی ہیں، بدری صحابہ کا مقام سارے صحابہ میں بہت بلند ہے رہے تیسرے بزرگ یعنی حضرت مرارہؓ تو وہ بدری نہیں ہیں پھر بھی صحابہؓ میں بہت ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ غزوۂ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

اس آیت میں ان تینوں حضرات صحابہؓ کا جو واقعہ پوشیدہ ہے اسے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، نے بڑی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے، اپنے بڑھاپے میں جب وہ نابینا ہو چکے تھے، انھوں نے اپنے صاحبزادے عبداللہ سے، جو ان کا ہاتھ پکڑ کر انھیں چلایا کرتے تھے، خود یہ قصہ بیان کیا ہے، جو اس طرح ہے کہ:

''غزوۂ تبوک کی تیاری کے زمانے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی مسلمانوں سے

شرکت جنگ کی اپیل کرتے تو میں اپنے دل میں ارادہ کر لیتا تھا کہ چلنے کی تیاری کروں گا مگر پھر واپس آ کر سستی کر جاتا تھا اور کہتا تھا کہ ابھی کیا ہے جب چلنے کا وقت آئے گا تو تیار ہوتے کیا دیر لگتی ہے۔ اسی طرح بات ٹلتی رہی۔ یہاں تک کہ لشکر کی روانگی کا وقت آ گیا اور میں تیار نہ تھا۔ میں نے دل میں کہا کہ لشکر کو چلنے دو۔ میں ایک دو روز بعد راستہ ہی میں اس سے جا ملوں گا۔ مگر پھر وہی سستی آ گئی یہاں تک کہ میں نہ جا سکا اور وقت نکل گیا۔

اس زمانہ میں جبکہ میں مدینے میں رہا، میرا دل یہ دیکھ دیکھ کر بے حد کڑھتا تھا کہ میں جن لوگوں کے ساتھ پیچھے رہ گیا ہوں، وہ یا تو منافق ہیں یا ضعیف اور بوڑھے مجبور لوگ ہیں، جن کو اللہ نے معذور قرار دیا ہے۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے تو حسب معمول آپ مسجد میں گئے۔ آپؐ نے دو رکعت نماز پڑھی پھر لوگوں سے ملاقات کے لیے بیٹھ گئے۔ اس مجلس میں منافقین نے آ آ کر اپنے عذر اور بہانے لمبی چوڑی قسموں کے ساتھ پیش کرنے شروع کر دیئے۔ یہ اسی سے زیادہ آدمی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے زبانی عذر قبول کر لیے اور ان کے دل کے حال کو خدا پر چھوڑ دیا۔ اور فرمایا کہ خدا تمہیں معاف کرے، پھر میری باری آئی، میں نے آگے بڑھ کر سلام پیش کیا۔ آپ میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا "تشریف لائیے آپ کو کس چیز نے روکا تھا؟" میں نے عرض کیا "خدا کی قسم! اگر میں اہل دنیا میں کسی کے سامنے حاضر ہوا ہوتا تو ضرور کوئی نہ کوئی بات بنا کر اس کو راضی کرنے کی کوشش کرتا۔ باتیں بنانی تو مجھے بھی آتی ہیں مگر آپ کے متعلق میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر اس وقت کوئی جھوٹا عذر پیش کر کے آپ کو راضی بھی کر لیا تو اللہ ضرور آپ کو مجھ سے پھر ناراض کر دے گا لیکن اگر سچ کہوں گا تو چاہے آپ اس وقت ناراض ہو جائیں پھر بھی مجھے امید ہے کہ اللہ میرے لیے معافی کی کوئی نہ کوئی صورت پیدا فرما دے گا۔ اور آپ مجھ سے خوش ہو جائیں گے۔ سچی بات یہ ہے کہ میرے پاس کوئی عذر نہیں ہے، جسے پیش کر سکوں۔ میں جانے کی طاقت رکھتا تھا۔"

میرے اس کہنے پر حضورؐ نے فرمایا "یہ شخص ہے، جس نے سچی بات کہی، اچھا، اٹھ جاؤ اور انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تمہارے معاملے میں کوئی فیصلہ کر دے۔" میں اٹھا اور اپنے قبیلے کے لوگوں میں جا بیٹھا۔ یہاں سب کے سب میرے پیچھے پڑ گئے اور سب نے مجھے ملامت کی کہ

تو نے بھی کوئی بہانہ کیوں نہ کر دیا۔ یہ باتیں سن کر میرا نفس بھی کچھ آمادہ ہونے لگا کہ حضورؐ کی خدمت میں دوبارہ جا کر کوئی بات بنادوں مگر جب مجھے معلوم ہوا کہ دو اور صالح آدمیوں نے بھی وہی سچی بات کہی ہے، جو میں نے کہی تھی تو مجھے تسکین ہوگئی اور میں اپنی سچائی پر جما رہا۔

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عام حکم دے دیا کہ کوئی ہم تینوں آدمیوں سے بات نہ کرے۔ وہ دونوں (مرارہ بن ربیعؓ اور ہلال بن امیہؓ) تو گھر میں بیٹھ گئے مگر میں نکلتا تھا، جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا تھا، بازاروں میں چلتا پھرتا تھا اور کوئی مجھ سے بات نہ کرتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سرزمین بالکل بدل گئی ہے۔ میں یہاں اجنبی ہوں اور اس بستی میں کوئی میرا جاننے والا نہیں رہا۔ میں مسجد میں نماز کے لیے جاتا تو حسب معمول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتا تھا مگر بس انتظار ہی کرتا رہ جاتا کہ جواب کے لیے آپ کے ہونٹ ہلیں، نماز میں نظریں چرا کر حضور کو دیکھتا تھا کہ آپ کی نگاہیں مجھ پر کیسی پڑ رہی ہیں مگر وہاں یہ حال تھا کہ جب تک میں نماز پڑھتا، اس وقت تک آپ میری طرف دیکھتے رہتے اور جہاں میں نے سلام پھیرا کہ آپ نے میری طرف سے نظر ہٹالی

ایک روز میں گھبرا کر اپنے چچازاد بھائی اور بچپن کے یار ابوقتادہؓ کے پاس گیا۔ ان کے باغ کی دیوار پر چڑھا، انہیں سلام کیا مگر اس اللہ کے بندے نے سلام کا جواب تک نہ دیا۔ میں نے کہا ''قتادہ! میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا میں خدا اور اس کے رسولؐ سے محبت نہیں رکھتا؟ وہ خاموش رہے۔ میں نے پھر پوچھا، وہ پھر خاموش رہے۔ تیسری بار جب میں نے قسم دے کر یہی سوال کیا تو انھوں نے بس اتنا کہا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ یہ سن کر میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور میں دیوار سے اتر آیا۔ انہی دنوں میں میں ایک بار بازار سے گزر رہا تھا کہ شام کے قبطیوں میں سے ایک شخص مجھے ملا۔ اس نے شاہ غسان کا خط ریشم کے رومال میں لپٹا ہوا مجھے دیا، میں نے کھول کر پڑھا، لکھا تھا کہ ہم نے سنا ہے، تمہارے صاحب نے تم پر ظلم توڑ رکھا ہے۔ تم کوئی ذلیل آدمی نہیں ہو۔ نہ اس لائق ہو کہ تم کو ضائع کیا جائے۔ تم ہمارے پاس آجاؤ، ہم تمہاری قدر کریں گے۔'' میں نے خط پڑھ کر کہا لو، یہ ایک اور بلا نازل ہوئی اور اسی وقت اس خط کو چولھے میں جھونک دیا۔

اس طرح چالیس دن گزر گئے اچانک ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم لے کر آیا

کہ اپنی بیوی سے بھی علیحدہ ہو جاؤ۔ میں نے پوچھا، کیا طلاق دے دوں۔

جواب ملا ''نہیں، بس الگ رہو۔'' یہ حکم پا کر میں نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ تم اپنے میکے چلی جاؤ اور انتظار کرو۔ یہاں تک کہ اللہ اس معاملہ کا فیصلہ فرما دے۔

پچاسویں دن صبح کی نماز کے بعد میں اپنے مکان کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا اور اپنی جان سے بیزار ہو رہا تھا کہ اچانک کسی نے پکار کر کہا ''مبارک ہو کعب بن مالک!'' میں یہ سنتے ہی سجدے میں گر گیا۔ میں سمجھ گیا کہ میری معافی کا حکم ہو گیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ لوگ بھیڑ کی بھیڑ میری طرف بھاگے چلے آ رہے ہیں اور ہر ایک، ایک دوسرے سے پہلے پہنچ کر مجھے مبارک باد دینا چاہتا تھا کہ تیری توبہ قبول ہو گئی۔

سب سے پہلے یہ خبر مجھ کو طلحہ نے سنائی۔ میں نے خوشی میں اپنا کرتا اتار کر انہیں دے دیا پھر سیدھا مسجد نبوی کی طرف بھاگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملوں، وہاں جا کر دیکھا حضورؐ کا چہرہ خوشی سے چمک رہا ہے۔ میں نے سلام کیا تو فرمایا ''تجھے مبارک ہو، یہ دن تیری زندگی میں سب سے بہتر ہے۔'' میں نے پوچھا کہ یہ معافی حضور کی طرف سے ہے یا خدا کی طرف سے؟''

فرمایا ''خدا کی طرف سے! اور یہ آیات سنائیں، میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! میری توبہ میں یہ بھی شامل ہے کہ میں اپنا سارا مال خدا کی راہ میں صدقہ کر دوں؟'' فرمایا '' کچھ رہنے دو کہ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔'' میں نے اس ارشاد کے مطابق اپنا خیبر کا حصہ رکھ لیا، باقی سب صدقہ کر دیا، پھر میں نے خدا سے عہد کیا کہ جس سچائی کی بدولت اللہ نے مجھے معافی دی ہے اس پر عمر بھر قائم رہوں گا۔ چنانچہ آج تک کوئی بات جان بوجھ کر خلاف واقعہ نہیں کہی اور خدا سے امید رکھتا ہوں کہ آئندہ بھی مجھے اس سے بچائے گا۔''

حضرت کعب بن مالکؓ کی آپ بیتی ختم ہو گئی۔ اس آپ بیتی میں ہمارے لیے بڑی نصیحتیں ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ کرامؓ کے نقش قدم کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

تلافی کی انوکھی ادا

حضرت ابولبابہؓ کی آپ بیتی

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان بڑے صحابہ میں سے ہیں جو حضورؐ کے راز دار تھے، وہ اسلام کے نقیبوں میں سے تھے اور ان کی جاں نثاری کے چرچے مدینے منورہ کے ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان پر پورا بھروسہ اور اعتماد تھا۔لیکن شیطان کے فریبوں سے خدا کی پناہ! کیسے کیسے عظیم انسانوں پر کس کس رخ سے اس لعین نے وار کیے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر اللہ کی توفیق ان بزرگوں کے ساتھ نہ ہوتی تو شیطان اپنا کام کرہی چکا تھا، یہی اسلام کے نقیب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار اور جلیل القدر صحابی ایک بار شیطان کے چکر میں آگئے۔ کس طرح؟ یہ ایمان افروز اور سبق آموز واقعہ خود حضرت ابولبابہؓ کی زبانی سینے اور عبرت ونصیحت کے موتی چنیے، حضرت ابولبابہؓ اپنی آپ بیتی اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوقریظہ[1] کی بدعہدیوں اور شرارتوں سے تنگ آکر جب ان کا محاصرہ کیا تو اس وقت میرے بال بچے بنوقریظہ کی بستی میں تھے۔ میں نے اسی زمانے میں ایک خواب دیکھا کہ میں سڑی ہوئی کالی مٹی میں پھنسا ہوا ہوں، اس کی بدبو سے میری جان نکلی جارہی ہے۔ جان توڑ کوشش کے باوجود میں اس سے نکل نہیں پاتا۔ اچانک میں نے ایک بہتی ہوئی نہر دیکھی، میں نے اس میں غسل کیا اور بالکل پاک صاف ہوگیا۔ پھر میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے اپنا یہ خواب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا اور تعبیر پوچھی، انھوں نے بتایا کہ تم عنقریب کسی سخت آزمائش سے دوچار ہوگے لیکن اللہ تم کو اس سے صاف بچالے گا۔

---

[1] یہودیوں کا ایک شریر اور بدعہد قبیلہ جو مدینے میں رہتا تھا۔

یہ خواب ہر وقت میری نظروں کے سامنے رہنے لگا۔ میں نے نمازوں میں اور اضافہ کیا اور صدقہ بھی دیا لیکن اللہ نے خواب میں جو دکھایا تھا وہ ہو کر رہا۔ بنو قریظہ کے محاصرہ کے دنوں میں میرے اہل وعیال نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ابولبابہ کو ان کے پاس بھیج دیا جائے۔ حضورؐ نے یہ درخواست منظور فرمالی اور مجھے بنو قریظہ کے بستی میں جانے کی اجازت دیدی، میں اپنے بال بچوں میں پہنچا تو بنو قریظہ نے مجھے گھیر لیا اور زار وقطار رونے لگے۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ اگر ہم لوگ قلعہ سے اتر جائیں تو ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟ ان بدعہد اور مکار یہودیوں نے کچھ اس طرح خوشامد سے پوچھا کہ میرے دل میں ان کی طرف سے ہمدردی کے جذبات امنڈ آئے۔ ٹھیک اسی وقت شیطان نے اپنا داؤں کیا اور میں ایک لمحے کے لیے غافل ہو گیا۔ پھر بھی میں اپنی زبان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا راز کہنا نہ چاہتا تھا۔ میں نے خلق کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ تم سب قتل کر دیے جاؤں گے۔ میں نے خلق سے ہاتھ ہٹایا نہیں تھا کہ اچانک اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ "اف! میں نے اللہ کے رسول سے خیانت کی۔" میرا ضمیر لرز اٹھا اور مجھے ملامت کرنے لگا، اس ہولناک خیانت سے میں پریشان ہونے لگا۔ زمین و آسمان کی وسعتیں مجھے تنگ محسوس ہونے لگیں اور پھر میں نے سر پکڑ لیا کہ "ہائے میں نے یہ کیا کیا؟" پھر جب میں بنو قریظہ سے لوٹا تو زار وقطار رو رہا تھا، میری داڑھی آنسوؤں سے تر تھی۔

میرا یہ فعل ایسا تھا کہ اگر میں اسے ظاہر نہ کرتا تو کوئی جان نہیں سکتا تھا پھر بھی میری ہمت نہیں پڑی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے آنکھیں چار کروں۔ میں شرم وندامت کے مارے سب سے چھپتا ہوا پیچھے سے مسجد میں داخل ہو گیا اور میں نے اپنی غلطی کی تلافی کے لیے یہ کیا کہ اپنے کو ایک ستون سے باندھا اور عہد کیا کہ جب تک رحمت الٰہی خود ہی مجھے اس ستون سے نہ چھڑائے گی میں یونہی بندھا رہوں گا۔ ساتھ ہی یہ بھی عہد کیا کہ بنو قریظہ کی جس زمین پر مجھ سے یہ عظیم خیانت ہوئی اس پر کبھی قدم نہ رکھوں گا اور ہر اس شخص سے قطع تعلق کر لوں گا جو میرے اس جرم کا سبب بنا۔

مسلمانوں نے مجھے اس حال میں دیکھا تو حیران رہ گئے۔ انہوں نے خیریت پوچھی، میں نے اپنے قصور کو برملا کہہ دیا۔ لوگوں نے میری غلطی اور کفارہ کی اس ادا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا تو آپؐ نے فرمایا: "ابولبابہؓ نے اپنے کو خود ابتلا میں ڈال دیا اگر وہ میرے پاس آتے تو

میں ان کے لیے اللہ سے معافی کی درخواست کرتا۔ اب جبکہ مقدمہ اللہ کے دربار میں انہوں نے خود پیش کر دیا تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ اب جب تک بارگاہ خداوندی سے کوئی فیصلہ صادر نہیں ہو جاتا اس وقت تک میں نہیں کھول سکتا۔"

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دن رات مجھ پر ایک اضطراب اور بے چینی کی کیفیت طاری رہتی، میں نے کھانا پینا ترک کر دیا اور سوائے توبہ کے میرا کوئی کام نہ تھا، مجھے اپنا وہ خواب یاد آنے لگا جو میں نے چند روز پہلے دیکھا تھا، مجھے یقین تھا کہ اللہ مجھے ضرور پاک کرے گا۔ میں نہیں بتا سکتا کہ اللہ کے فیصلے کا میں کس درجہ بے چینی کے ساتھ منتظر تھا۔

اس طرح چھ راتیں بیت گئیں، فرائض اور حوائج ضروری کے وقت کبھی میری بیوی اور کبھی میری بیٹی آ کر مجھے کھول دیتیں، میں ان سے فارغ ہو کر پھر ستون سے جا بندھتا اور پھر خدا کی رحمت کا انتظار کرنے لگتا۔ کھانا پینا ترک کر دینے اور دلی رنج نے مجھ پر وہ اثر ڈالا کہ مجھ پر بے ہوشی طاری ہونے لگی، کانوں نے تو بالکل جواب دے دیا، مجھ سے کچھ سنا نہ جاتا کہ کون کیا کہہ رہا ہے۔

ساتویں دن جب اللہ کی طرف سے میرے لیے توبہ کی آیتیں نازل ہوئیں تو اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے حجرے میں تھے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ سحر کے وقت میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسکراتے دیکھا۔ اس وقت آپ بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ میں نے عرض کیا۔ "یارسول اللہ! اللہ آپؐ کو ہمیشہ خوش اور مسکراتا رکھے، آپ کیوں مسکرا رہے ہیں؟" فرمایا "ابولبابہؓ کی توبہ قبول ہوگئی۔" ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا "یارسول اللہ! کیا میں ان کو اس کی خوش خبری سنا دوں۔" (یاد رہے کہ یہ واقعہ پردے کے احکامات نازل ہونے سے پہلے کا ہے) حضورؐ نے جواب دیا "چاہو تو تم خوش خبری سنا دو۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت پا کر ام المومنینؓ دروازے پر کھڑی ہو کر پکاریں: "ابولبابہ! تمہیں بشارت ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرما لی۔"

یہ بشارت تمام مسلمانوں نے سنی، سب خوشی کے مارے اچھل پڑے اور مبارک باد دیتے ہوئے مجھے زنجیروں سے کھولنا چاہا مگر میں نے ان کو روکا اور کہا کہ میری خواہش ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے دست مبارک سے مجھے کھولیں، کچھ لمحوں کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے حجرے سے نکلے، مسجد میں تشریف لائے اور مجھے کھولا، میں نے اس خوشی میں عرض کیا

''یارسول اللہ! میری توبہ میں میرا یہ عہد شامل ہے کہ میں اپنی قوم کے ان سارے مکانوں کو چھوڑ دوں جہاں میں نے آپ سے خیانت کی اور میرا مال اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے وقف ہے۔'' آپؐ نے سن کر فرمایا ''ایک تہائی کافی ہے۔ دو تہائی اپنے لیے رکھ چھوڑو۔''

یہ ہے حضرت ابولبابہؓ کا واقعہ جس نے اپنے پیچھے وہ روشن منارا چھوڑا جو قیامت تک کے لیے ہمارے لیے نمونۂ عبرت ہے جب کہ ہم اسے سمجھیں۔

شہید کی بد دعا

حضرت سعد بن عامرؓ کی آپ بیتی

حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابہ میں ہیں جو سابقون الاولون میں سے تو نہیں، لیکن اپنے اسلام اور اپنے ایمان اور اپنے تقویٰ کے اعتبار سے بلند معیار کے صحابہؓ میں شمار کیے جاتے ہیں، حضرت سعید بن عامرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بہت دنوں بعد مسلمان ہوئے، اور گھربار، دھن، دولت، اور عزیز و اقربا کو چھوڑ کر مدینہ جا بسے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کافروں کے درمیان جتنی لڑائیاں ہوئیں ان سب میں شریک رہے اور ہمیشہ جان پر کھیل کر لڑے۔

حضورؐ کے بعد سید نا ابو بکر صدیقؓ اور ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ ہوئے، ان دونوں حضرات کے زمانۂ خلافت میں بڑے بڑے خدمات انجام دیے۔ دونوں خلیفہ ان کے کاموں سے مطمئن اور خوش رہے، حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں حمص جیسے مشہور صوبے کا گورنر بنایا ،تو ایسی خوبی سے کام کیا کہ شیر اور بکری کو ایک گھاٹ پانی پلا دیا، ہمیشہ سادہ زندگی بسر کرتے تھے، گورنری میں بھی اپنی سادگی نہ چھوڑی۔

اسلامی حکومت سے پہلے حمص میں رومیوں کا گورنر بڑے ٹھاٹھ سے رہتا تھا، لوگوں نے اسے دیکھا تھا، حضرت سعید بن عامرؓ گورنر ہو کر گئے تو ان کی سادہ زندگی دیکھ کر لوگوں کو حیرت ہوئی۔ ساتھ ہی یہ بھی دیکھا کہ ان پر کبھی کبھی بے ہوشی کا دورہ پڑتا ہے، چنانچہ یہ شکایت حضرت عمرؓ کو باقاعدہ کی گئی، یہاں سے حضرت سعید بن عامرؓ کی طلبی ہوئی۔

حضرت سعیدؓ مدینہ واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ان کے پاس ایک پیالہ اور لاٹھی کے سوا اور کچھ نہیں۔ پوچھا۔ ''سعید! تمہارے پاس زندگی بسر کرنے کے لیے یہی سامان ہے؟'' جواب دیا ''اس سے زیادہ اور کسی چیز کی ضرورت ہی کیا ہے؟ پیالے میں کھاتا ہوں، اور لاٹھی پر اپنا تہبند اور کھانا لٹکا تا ہوں۔''

حضرت عمرؓ نے دوسرا سوال کیا۔ ''سنا ہے کہ تم پر جنون کا اثر ہے؟'' جواب دیا کہ ''نہیں''۔

''تو پھر میرے پاس یہ شکایت کیوں آئی کہ تم کبھی کبھی بے ہوش ہو جاتے ہو؟'' اس سوال کے جواب میں حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ نے ایک بڑے حادثہ کا ذکر کیا، یہ حادثہ حضرت سعیدؓ کی بڑی ہی عبرتناک آپ بیتی ہے، انہوں نے کہا:

''اے مسلمانوں کے خلیفہ! آپ کو معلوم ہے کہ میں آپ لوگوں کے مسلمان ہونے کے بہت دنوں بعد مسلمان ہوا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینے ہجرت فرما گئے، اس وقت میں مسلمان نہ تھا۔ مکہ والوں سے بدر اور احد کی لڑائیاں ہوئیں، میں اس وقت بھی مسلمان نہ تھا۔ مکہ والے مسلمانوں کی جان کے دشمن تھے ہی۔ ان لڑائیوں میں ہارنے کے بعد تو وہ مسلمانوں کو دیکھنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔ ان لڑائیوں کے بعد مکے کے قریش ایک مسلمان کو دھوکہ دے کر پکڑ لائے۔ میں نے پہچانا، وہ حبیب بن عدیؓ تھے۔ جن سے اللہ اور اللہ کا رسول راضی تھا۔ جس وقت حبیب بن عدی کو پکڑ کر مکے میں لایا گیا، اس وقت بھی میں مسلمان نہ تھا۔ قریش مکہ جب حبیب بن عدی کو قتل کرنے لگے تو اس وقت میں کافروں کے ساتھ تھا، قریش مکہ ان کو قتل کرنے کے لیے نیزے اور برچھے لے کر ان کے چاروں طرف کھڑے ہوئے، ایک کافر نے ان کے بدن پر برچھی کا وار کیا اور کہا ''کہو حبیب! اگر تمہارے رسول کے اس طرح برچھی ماری جائے تو کیسا؟'' جواب دیا: میرے بدن میں نیزوں اور برچھیوں کے کتنے ہی زخم ہوں لیکن یہ سب مجھے اس سے ہزار گنا پسند ہیں کہ میرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بال بھی بیکا ہو۔''

یہ جواب سن کر قریش مکہ غصے کے مارے آپے سے باہر ہو گئے، چاروں طرف سے نیزے اور برچھے مارنے لگے۔ حضرت حبیبؓ زخم پر زخم کھاتے جاتے اور یہی کہتے جاتے، جب وہ زمین پر گرے تو انہوں نے قریش مکہ کو بددعا دی۔

اے مسلمانوں کے امیر! میں نے حبیب کے نیزہ نہیں مارا تھا، لیکن میں یہ سب دیکھ

رہا تھا۔ جب حبیب نے قریش کو بددعا دی تو میں کانپ گیا۔ کیونکہ میں بھی قریش ہوں۔ اس بددعا کا خوف میرے دل میں اب بھی اتنا ہے کہ جب یاد آتی ہے تو ڈر کے مارے بے ہوش ہونے لگتا ہوں، میں کوشش کرنے پر بھی اپنے کو سنبھال نہیں پاتا۔"

حضرت عمرؓ نے یہ سنا تو انہیں اطمینان ہوگیا اور فرمایا کہ اپنی جگہ پر واپس جاؤ۔ مگر حضرت سعیدؓ نے انکار کیا، ان کے انکار پر حضرت عمرؓ نے کہا: "اگر اللہ سے ڈرنے والے ہی اسلامی حکومت سے الگ رہیں گے تو پھر اللہ کا دین کیسے غالب رہ سکتا ہے؟" حضرت سعیدؓ اس بات کا جواب نہ دے سکے اور حمص کی گورنری پر واپس چلے گئے۔

حضرت عمرؓ کو ان کا کام بہت پسند تھا۔ وہ اسلامی حکومت کے نمونے کے صوبہ حمص کا انتظام دیکھنے حمص تشریف لے گئے، وہاں پہنچ کر حکم دیا کہ یہاں کے غریبوں اور مسکینوں کی فہرست تیار کی جائے۔ کلرکوں نے فہرست تیار کر کے دی تو دیکھا کہ سب سے پہلا نام سعید بن عامر قریشی کا ہے۔ پوچھا۔ "یہ سعید قریشی کون؟" بتایا گیا کہ یہ "ہمارے اور آپ کے گورنر سعید بن عامر قریشی ہیں۔ امیر المومنین نے حیران ہوکر کہا "تمہارا گورنر اور مسکین؟ وہ اپنی تنخواہ کیا کرتے ہیں؟" جواب ملا کہ "وہ تو اسے چھوتے بھی نہیں اسی وقت غریبوں میں تقسیم کرا دیتے ہیں۔"

حضرت عمرؓ یہ سن کر رونے لگے، اسی وقت ایک ہزار دینار بھیجے کہ یہ رقم اپنی ضرورتوں پر خرچ کریں، حضرت سعیدؓ اس وقت گھر میں تھے، تھیلی پہنچی تو گھبرا گئے، بیوی مزاج پہچانتی تھیں۔ وہ گھبرایا ہوا دیکھ کر دوڑ پڑیں حال پوچھا تو کہا "بڑا غضب ہوگیا۔" بیوی کو اندیشہ پیدا ہوا کہ خدانخواستہ خلیفہ پر کوئی افتاد تو نہیں پڑ گئی۔ وہ خلیفہ کی خیریت پوچھنے لگیں، جواب دیا کہ وہ تو خیریت سے ہیں لیکن بہت بڑی مصیبت کا سامنا ہے۔ "کیا قیامت آ گئی؟" بیوی نے گھبرا کر پوچھا"، جواب ملا۔ اس سے بھی بڑی مصیبت۔

بے چاری بیوی بے حد پریشان ہوئیں کہ آخر معاملہ کیا ہے، انہوں نے اصرار کر کے پوچھا تو تھیلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ دنیا اپنے پورے مایا جال کے ساتھ ہمارے پاس آئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس وقت کی مسلمان عورتوں کو بھی دنیا سے اتنا بے نیاز رکھا تھا کہ وہ صحابہؓ کی پوری پوری تقلید کرتی تھیں۔ انہوں نے کہا "تو اس سے بچنے کی فکر کرو۔"

"کیا فکر کروں؟" حضرت سعیدؓ نے پوچھا۔

''کل مجاہدین جہاد پر جانے والے ہیں، ان میں تقسیم کردو۔''

''مرحبا جزاک اللہ! تم بہت اچھی بیوی ہو۔ تم ہی یہ کام کردو۔'' اور سعید بن عامر رضی اللہ عنہ اٹھ کر نماز کے لیے کھڑے ہوگئے، تھیلی ویسی کی ویسی اسلامی لشکر کے امیر کے پاس بھیج دی گئی۔

حضرت عمرؓ نے حمص کا انتظام دیکھا، بہت خوش ہوئے، پوچھا ''تم نے کونسا طریقہ اختیار کیا جس سے حمص کے لوگ تم سے مطمئن ہیں؟'' جواب دیا، میں رات دن ان کی دیکھ بھال کرتا ہوں، اور آڑے وقت میں ان کا ساتھ دیتا ہوں۔''

حضرت عمرؓ خوش ہوکر دس ہزار کی تھیلی دینے لگے تو حضرت سعیدؓ بولے۔ ''میرے لیے میری اپنی آمدنی کافی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کا کام محض اللہ کے واسطے کروں۔'' اس جواب پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح مجھے بھی مال دیا تو میں نے بھی لینے سے انکار کیا تھا لیکن حضورؐ نے فرمایا کہ ''اگر اللہ بے طلب دے تو لے لیا کرو، یہ اس کی طرف سے عطیہ ہے۔'' حدیث سنی تو حضرت سعیدؓ نے رقم لے لی۔ اٹھ کر چلے تو راستے میں ساری رقم خیرات کردی، اور پھر

گھر میں جب پہنچے تو خالی ہاتھ تھے

حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کی یہ آپ بیتی جس کے ساتھ ان کے تقویٰ کے دو نمونے بطور مشتے نمونہ از خروارے بیان کیے گئے۔ اسے پڑھ کر یہ خیال ہوسکتا ہے کہ یہ بڑھاپے کی باتیں ہوں گی، لہٰذا ہم یہ بتادینا چاہتے ہیں کہ انہوں نے جوانی میں وفات پائی، وفات کے وقت عمر مبارک چالیس سال کی تھی، فرمایا کرتے تھے کہ لوگو! اپنے اوپر کم خرچ کرو، اس سے آخرت کے دن حساب کتاب میں آسانی ہوگی، زیادہ خرچ کروگے تو قیامت کے دن حساب بھی زیادہ دینا ہوگا، اور جب حساب زیادہ ہوگا تو پھر اپنے کو پریشانی میں پاؤگے۔ لوگو! آخرت کی پریشانی سے بچو!

ہار کی بہار

حضرت ابو بکرؒ کی آپ بیتی

مشہور صحابی حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ''ابوبکر'' نامی ایک بزرگ گزرے ہیں، حضرت ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن و حدیث کی تعلیم مدینے کے علماء سے حاصل کی اور جو کچھ حاصل کیا اس کا حق بھی ادا کیا۔ تبلیغ دین میں نمایاں کارنامے انجام دیے۔ ایک بار عیسائی فوج کے ایک دستے کے چنگل میں پھنس گئے۔ عیسائی انہیں قید کر کے لے گئے اور ان پر دباؤ ڈالا کہ اپنا دین تبدیل کر دیں اور عیسائی ہو جائیں، انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ اس انکار پر بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں، ڈیڑھ برس تک قید و بند کی مصیبتیں برداشت کرتے رہے اس کے بعد اللہ کے فضل سے وہاں سے بچ نکلے۔ حضرت ابوبکرؒ اپنے آخر وقت میں بڑے مال دار ہو گئے تھے۔ لوگوں نے ان سے مالداری کا سبب پوچھا تو اپنی یہ آپ بیتی سنائی۔ فرمایا:

''ایک دن میں نے راستے میں ریشم کی ایک تھیلی پڑی پائی۔ میں وہ تھیلی اٹھا کر اپنے گھر لے آیا۔ کھول کر دیکھا تو اس میں سچے موتیوں کا ہار نکلا۔ یہ ہار نہایت قیمتی تھا۔ ہار دیکھ کر میں نے دل میں عہد کیا کہ اسے اس کے مالک تک ضرور پہنچاؤں گا۔ یہ سوچ کر میں گھر سے نکلا۔ ایک بوڑھے شخص کو تھیلی تلاش کرتے ہوئے پایا۔ وہ بہت گھبرایا ہوا تھا۔ میں اس بوڑھے شخص کو اپنے گھر لایا۔ اسے دلاسا دیا اور تھیلی کی شناخت پوچھی، اس نے صحیح صحیح شناخت بتا دی۔ میں نے تھیلی اسے واپس کر دی، تھیلی پا کر وہ مجھے پانچ سو دینار (سونے کے سکے) دینے لگا۔ میں نے لینے سے انکار کر دیا۔ اس نے بہت اصرار کیا لیکن میں نے اس سے کہہ دیا کہ یہ تھیلی میرے پاس امانت تھی اور

امانت واپس کرنے کے صلے میں میں کچھ لینا نہیں چاہتا۔ میں اس کا صلہ اپنے خدا سے لوں گا۔ بوڑھا شخص مجھ سے بہت خوش ہوا اور دعائیں دیتا چلا گیا۔

کچھ دنوں بعد میں ایک جہاز میں سفر کر رہا تھا۔ جہاز ایک طوفان کی زد میں آ کر تباہ ہو گیا۔ بہت سے مسافر ڈوب گئے۔ میں ایک تختے کے سہارے بہتا ہوا بڑی مشکل سے کنارے لگا۔ ہوش ٹھکانے ہوئے تو ایک طرف چل دیا۔ سامنے آبادی نظر آئی۔ میں اسی مسجد میں جا بیٹھا۔ نماز پڑھی اور قرآن کی تلاوت بلند آواز سے کرنے لگا۔ وہاں کے لوگوں نے قرآن سنا تو میرے گرد جمع ہو گئے اور قرآن سیکھنے کے لیے مجھے وہیں روک لیا۔ میں قرآن کی قرأت اور کتابت لوگوں کو سکھانے لگا۔

کچھ دنوں کے بعد وہاں کے لوگوں نے میری شادی ایک یتیم لڑکی سے کر دی، جب میری دلہن میرے سامنے آئی تو میں نے اس کے گلے میں موتیوں کا وہی ہار دیکھا جو میں نے مدینے کی ایک گلی میں پڑا پایا تھا۔ میں بہت حیران ہوا۔ میں نے اس ہار کے متعلق دریافت کیا۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ لڑکی اسی بزرگ شخص کی ہے جس کا ہار آپ نے پایا اور پھر واپس کر دیا تھا۔ وہ بزرگ کہا کرتے تھے کہ میں نے ایک بڑے امانت دار مسلمان کو دیکھا ہے اور وہ دعا کیا کرتے تھے کہ: ''یا اللہ! اگر وہ نوجوان مجھے مل جائے تو میں اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دوں۔'' وہ بزرگ تو اس وقت زندہ نہ تھے، ان کے انتقال کو کئی برس ہو گئے تھے لیکن اللہ نے ان کی دعا قبول کر لی۔ اللہ نے مجھے وہاں پہنچا دیا اور میری شادی ان بزرگ کی لڑکی سے ہوئی۔ میں وہاں رہتا رہا پھر میری بیوی کا انتقال ہو گیا اور اس کا تمام ترکہ میں نے پایا۔ میں نے ہار بیچا تو کئی لاکھ کا بکا۔ میں نے اس سے تجارت شروع کر دی۔ اللہ نے برکت دی۔ آج کل لوگ میرے پاس جو مال دیکھ رہے ہیں یہ اسی ہار کی بہار ہے، سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو کبھی کبھی اپنے بندوں کو ان کی نیکیوں کا بدلہ کسی نہ کسی حد تک اس دنیا میں بھی دیتا ہے حالانکہ بدلے کا اصل دن تو آخرت کا دن ہے۔

اشرفی پھینک دی

امام بخاریؒ کی آپ بیتی

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے مشہور و معروف امام گزرے ہیں، آپ کی جمع کی ہوئی حدیثوں کا مقام بہت بلند ہے۔ آپ کی ترتیب دی ہوئی حدیثوں کی کتاب ''صحیح بخاری'' کے متعلق مشہور قول ہے کہ اللہ کی کتاب (قرآن مجید) کے بعد سب سے زیادہ سچی کتاب ''بخاری شریف'' ہے۔ آپ نے جو حدیث سنی اسے خوب جانچا اور پرکھا اور جب پورا اطمینان ہو گیا تو اسے اپنی کتاب میں جگہ دی۔ امام صاحب نے احادیث جمع کرنے میں انتھک محنت برداشت کی، دور دور تک سفر کیا۔ اور کسی طرح کے دنیاوی نفع و نقصان کی پروا نہ کی، امام صاحب اس سلسلے میں اپنی ایک آپ بیتی بیان فرماتے ہیں:

''ایک بار میں جہاز میں سفر کر رہا تھا۔ میرے پاس ایک اشرفی تھی، وہ اشرفی ایک مسافر نے دیکھ لی، اس نے شور مچا دیا کہ میری اشرفی کسی نے چرا لی، اس کے شور مچانے پر میں بہت پریشان ہوا۔ مجھے پریشانی یہ ہوئی کہ اگر تلاشی لی گئی تو اشرفی میرے پاس نکلے گی، وہ بے ایمان شخص اشرفی کی پہچان بھی بتا رہا تھا، میں نے دل میں کہا کہ یہ شخص ہے تو جھوٹا اور اشرفی کے لالچ میں شور مچا رہا ہے لیکن دوسرے لوگ شناخت کر کے اشرفی اسی کی بتائیں گے اور مجھے جھوٹا سمجھیں گے پھر میری جمع کی ہوئی حدیثوں کی طرف سے بدگمان ہو جائیں گے، لوگ مجھے چور سمجھیں گے تو میری جمع کی ہوئی حدیثوں کا درجہ ہی کیا رہے گا۔ میں نے حدیثوں کی محبت میں اشرفی کی پروا نہیں کی اور اشرفی چپکے سے سمندر میں ڈال دی۔ جبکہ میرے پاس اس اشرفی کے سوا اور کچھ خرچ کرنے کو نہ تھا۔

تلاش کی گئی تو اشرفی میرے پاس نہ نکلی، مسافروں نے اس بے ایمان آدمی کو بہت ملامت کی اور جب لوگوں کو میرے متعلق پوری واقفیت ہوئی تو اس لالچی پر اور زیادہ خفا ہوئے، میں نے اللہ کا شکر ادا کیا جس نے اشرفی کی محبت میرے دل سے نکال دی اور آج بھی یہ آپ بیتی یاد کر کے خوشی ہی محسوس کرتا ہوں۔ سب تعریف اللہ کے لیے ہے۔

یہ تھا ایثار

واقدیؒ کی آپ بیتی

ہمارے بزرگوں میں واقدی رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ واقدیؒ مدینے میں پیدا ہوئے۔ سن پیدائش ۱۳۰ھ ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب صحابہ کرامؓ کے ہزاروں شاگرد رشید (تابعین کرام) مدینے میں موجود تھے۔ آپ نے انہیں بزرگوں سے علم دین سیکھا۔ آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات جاننے کا بڑا اشوق تھا۔ چنانچہ تابعین کرام سے حضورؐ کے حالات پوچھتے انہیں لکھ لیتے، زبانی یادرکھتے اور بڑے شوق وذوق کے ساتھ دوسروں کے سامنے بیان کیا کرتے، واقدی رحمۃ اللہ علیہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگی کارناموں سے بڑی دلچسپی تھی، چنانچہ ان واقعات کو دوسروں سے پوچھ پوچھ کر اتنی کتابیں لکھ ڈالیں کہ ان کے گھر کتابوں کا ڈھیر لگ گیا، انہی کتابوں سے واقدی رحمۃ اللہ علیہ وسلم کا نام دور دور تک مشہور ہو گیا اور لوگ ان کو بہت بڑا عالم سمجھنے لگے، اس وقت عباسی خلیفہ مامون رشید کے ہاتھ میں خلافت کی باگ ڈور تھی اور اس کے وزیر یحیٰ برمکی کے تدبر اور فیاضی کی چاروں طرف دھوم تھی۔ خلیفہ مامون نے واقدیؒ کو بغداد کا قاضی بنا دیا تھا۔ اگر چاہتے تو خوب روپیہ پیدا کرتے لیکن انہوں نے اس عہدے کی پروا نہ کی۔ خود کما کر گھر کا کام چلاتے تھے۔ فیاض اتنے تھے کہ پیسہ ہاتھ میں نہ رکتا تھا اس لیے تن تنہا کوئی کام بھی نہ کر سکتے تھے۔ کسی سے ساجھا کر لیتے اور حصہ بانٹ میں جو ملتا اس سے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتے تھے۔ پیسہ جوڑ جوڑ کر کبھی نہ رکھا۔ جو ہاتھ آیا خیرات کر دیا۔ جب اللہ کو پیارے ہوئے تو گھر میں کفن بھی نہ نکلا۔ خلیفہ مامون رشید کو خبر ہوئی تو اس نے کفن دفن کے لیے رقم بھیجی۔

یہی واقدیؒ وہ بزرگ ہیں جن کی ایک نہایت دلچسپ اور نصیحت آمیز آپ بیتی مشہور ہے۔ اس آپ بیتی کو واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے خود لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''ایک بار عید آئی تو میرے گھر میں کچھ نہ تھا۔ اتنا بھی نہ تھا کہ میں بچوں کے لیے کپڑے بنوا دیتا۔ بچوں نے پریشان کیا اور روئے چلائے تو میں سوچنے لگا کہ کیا کروں؟ ایک تدبیر سمجھ میں آئی۔ میں اپنے دوست کے پاس گیا۔ میرا وہ دوست سوداگر تھا۔ میں نے اس سے سارا حال کہا۔ اس کے پاس ایک لاکھ دوسو درہم کی تھیلیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے وہ سب مجھے دے دیں۔ میں تھیلیاں لے کر گھر آیا لیکن ابھی میں نے تھیلیاں کھولی نہیں تھیں کہ میرا ایک ہاشمی دوست آ گیا وہ اس وقت بہت گھبرایا ہوا تھا۔ اس نے بتایا کہ قرض دار ہے۔ آج قرض دینے کا وعدہ ہے، اگر نہ دے گا تو قرض خواہ بہت ذلیل کرے گا۔ میں نے اپنے ہاشمی دوست کو پریشان دیکھا تو بیوی سے کہا کہ لاؤ آدھی رقم ہاشمی دوست کو دیدیں اور آدھی سے اپنا کام چلائیں۔ بیوی نے کہا'' یہ خوب رہی، تمہارا دوست سوداگر عالم نہیں اور اس نے اتنی بڑی رقم دے دی اور تم اتنے بڑے عالم اور اپنے ہاشمی دوست کو نصف دے کر ٹالنا چاہتے ہو۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔'' بیوی نے کہا تو میں نے وہ سب تھیلیاں ہاشمی دوست کو دیدیں۔

اب سنیے، جس سوداگر سے میں تھیلیاں لایا تھا۔ اس کے پاس بس وہی کل جائداد تھی، اچانک اسے بڑی ضرورت پیش آ گئی۔ وہ رقم کی تلاش میں نکلا۔ وہ ہاشمی نے وہ سب تھیلیاں اسے دیدیں، سوداگر نے وہ تھیلیاں پہچان لیں تو ہکا بکا رہ گیا۔ وہ دوڑا ہوا میرے پاس آیا۔ تھیلیاں دکھائیں۔ اپنا حال کہا اور میرا حال سنا پھر یہ رائے ہوئی کہ ہم تینوں ضرورت مند ہیں، آؤ برابر برابر بانٹ لیں۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔

یہ خبر خلیفہ مامون الرشید کے وزیر یحیٰ برمکی کو ہوئی، اس نے مجھے بلوایا۔ حال پوچھا۔ وہ ہم تینوں کے ایثار سے بہت خوش ہوا۔ اس نے مجھے دس ہزار دینار (سونے کے سکے) دیے اور کہا کہ'' دوہزار اپنے دوست سوداگر کو دینا، دوہزار خود لینا۔ دوہزار ہاشمی دوست کو دینا اور چار ہزار اس چوتھے شخص کو دینا جس نے سب سے زیادہ ایثار و قربانی اور فیاضی سے کام لیا۔''

یحیٰ وزیر نے چوتھے شخص کے متعلق کہا تو میں حیران ہوا کہ یہ چوتھا شخص کون ہے۔ اس رقم سے متعلق ہم ہی تین دوست تو ہیں۔ میں نے یحیٰ سے کہا'' وہ چوتھا فیاض شخص کون ہے۔'' یحیٰ مسکرایا اور بولا'' وہ چوتھا شخص تمہاری بیوی ہے جس نے تم کو راہ دکھائی۔'' میں نے غور کیا تو واقعی اپنی بیوی کو سب سے زیادہ فیاض سمجھا۔ میں نے چار ہزار اسے اور باقی رقم میں سے دو ہزار ہم تینوں دوستوں نے بانٹ لیے۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

روغن پستہ کا فالودہ

امام ابو یوسفؒ کی آپ بیتی

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فقہ حنفی کے مشہور امام حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ان دو شاگردوں میں سے ایک ہیں جنہیں ''صاحبین'' کے نام سے پکارا گیا، حضرت امام یوسفؒ آگے چل کر خود ایک بڑے امام مانے گئے۔ ان کے وقت کا خلیفہ ہارون الرشید ان سے اتنا مرعوب اور متاثر تھا کہ جب امام صاحب اس کے دربار میں جاتے تو خود بڑھ کر سلام کرتا اور اعزاز کے ساتھ لا کر اپنے ساتھ تخت پر بٹھا لیتا۔ امام صاحب کسی روک ٹوک کے بغیر ہر وقت اس کے دربار میں جا سکتے تھے۔ اگر ان کے سامنے یا ان کی عدم موجودگی میں خلیفہ کوئی غلطی کرتا تو امام صاحب اسے ٹوک دیا کرتے تھے، ہارون رشید امام صاحب کو اپنے ساتھ کھانا کھلاتا اور جو چیز اچھی ہوتی امام صاحب کی خدمت میں خود پیش کر دیا کرتا تھا۔ ایک بار دستر خوان پر روغن پستہ سے بنا ہوا فالودہ آیا۔ خلیفہ نے یہ فالودہ امام صاحب کی طرف بڑھا دیا۔ فالودہ دیکھ کر امام صاحب کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، خلیفہ نے وجہ پوچھی تو امام صاحب نے ایک طالب علم کی کہانی کہہ سنائی جو دراصل ان کی اپنی ہی آپ بیتی ہے، فرمایا:

''کوفہ میں ایک بوڑھا شخص رہتا تھا، اس کا نام ابراہیم تھا۔ بوڑھا ابراہیم بے حد غریب تھا۔ محنت مزدوری کر کے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتا تھا، چونکہ وہ بے حد کمزور تھا اس لیے مزدوری میں بہت ہی کم پیسے پاتا۔ اس کی بیوی سوت کات کر کچھ کماتی اور اس طرح جیسے تیسے گزر بسر ہو جاتی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ گھر والوں کو کئی کئی فاقے ہو جاتے اور یہ تو اکثر ہوتا کہ اگر صبح کو ہے تو شام کو نہیں اور اگر شام کو کھا لیا تو صبح کے لیے کچھ نہیں۔

اس بوڑھے ابراہیم کا ایک لڑکا تھا۔لڑکے کا نام یعقوب تھا۔ یعقوب دس برس کا ہوا تو باپ نے سوچا کہ اسے کسی کام سے لگانا چاہیے تا کہ کچھ کمائی کر سکے اور گھر والوں کا پیٹ بھر سکے۔ یہ بات اس نے اپنی بیوی سے کہی۔ وہ یعقوب کو لے کر ایک دھوبی کے گھر گئی اور اس کے یہاں نوکر رکھا دیا۔ مگر یعقوب کا دل کام میں نہ لگتا، اس وقت چاروں طرف قرآن وحدیث کے علم کا چرچا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس علم کو حاصل کرے اور اسے ہر کس و ناکس تک پہنچائے۔

یعقوب یہ کرتا کہ گھر سے تو کام کے بہانے نکلتا لیکن جا پہنچتا درسگاہ میں۔ اس وقت کوفہ میں امام ابوحنیفہؒ کے علم کا طوطی بول رہا تھا حضرت موصوف کی درسگاہ یعقوب کے راستے میں پڑتی تھی۔ اس درسگاہ میں وہ علم حاصل کرنے لگا۔ دھن کا پکا یعقوب اس درسگاہ میں پڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک مہینہ گزر گیا۔ مہینہ بھر کے بعد ماں باپ نے یعقوب سے کہا کہ مہینے بھر کی تنخواہ دھوبی سے لے آئے۔ اب یعقوب گھبرایا۔ تنخواہ کا سوال ہی کیا جبکہ اس نے کام ہی نہیں کیا۔ ماں باپ کے بار بار پوچھنے پر سارا حال کہہ سنایا تو بوڑھی ماں بہت خفا ہوئی۔ بیٹے کو لے کر درسگاہ پہنچی، امام ابوحنیفہؒ سے کہا:

''حضرت! یہ میرا بیٹا ہے۔ میں سوت کات کر کماتی ہوں اس کا باپ بے حد ضعیف اور کمزور ہے۔ اسے کوئی مزدوری کے لیے نہیں پوچھتا۔ میں نے کمائی کے لیے اسے ایک دھوبی کے یہاں رکھا دیا لیکن یہ یہاں چلا آتا رہا۔ اسے سمجھائیے کہ کچھ کمائے جس سے ہم دو ضعیفوں کو آرام پہنچے، آخر اولاد اسی لیے تو ہوتی ہے کہ پیری میں عصا کا کام دے۔''

یہ سن کر حضرت امام ابوحنیفہؒ مسکرائے فرمایا: ''بڑی بی! اس لڑکے کو میرے پاس ہی چھوڑ جائیے آپ اسے روکھی سوکھی روٹیاں کھلانا چاہتی ہیں اور یہ روغن پستہ سے بنا ہوا فالودہ کھانا چاہتا ہے۔''

ضعیف ماں نے امام صاحب سے یہ سنا تو اسے بڑا غصہ آیا وہ بڑبڑاتی چلی گئی اس بڈھے کی مت ماری گئی ہے اور میرے لڑکے کو بھی کسی کام کا نہ رہنے دے گا۔ اس کے جانے کے بعد امام صاحب نے یعقوب کے گھر کا پورا خرچ اپنے ذمے لے لیا۔ اللہ تعالیٰ نے امام صاحب کے کاروبار میں بڑی برکت دی تھی۔ انہیں کاروبار سے جو ملتا وہ علم دین کی اشاعت میں لگا دیتے۔ بہت سے غریب طلباء آپ کے دامن تربیت میں پرورش پا رہے تھے۔

اس طرح یعقوب کو اور اس کے والدین کو سہارا ملا تو اطمینان کے ساتھ اس نے پڑھنا شروع کیا۔ اللہ کا فضل شامل حال تھا یعقوب نے اپنی محنت اور اللہ کی توفیق سے استاد کا اعتماد حاصل کر لیا، استاد نے اپنے آخری زمانے میں اپنے جن دو شاگردوں کو اپنی ساری کتابیں اور تصنیفات سپرد فرمائیں ان میں ایک یعقوب تھا۔

امام ابوحنیفہؒ کے بعد یعقوب کے علم کی شہرت ہوئی۔ یہاں تک کہ خلیفۂ وقت نے سنا۔ اس وقت یعقوب اپنی کنیت ابو یوسف رکھ لی تھی۔ خلیفۂ وقت نے ابو یوسف کو اپنے ملک کا سب سے بڑا قاضی (چیف جسٹس) بنا دیا۔

اے خلیفہ! اس وقت وہی یعقوب قاضی ابو یوسف کے نام سے تیرے دستر خوان پر موجود ہے اور اس کے سامنے روغن پستہ کا فالودہ رکھا ہے۔ کیسی صحیح سچی نکلی حضرت امام ابوحنیفہؒ کی پیشین گوئی۔ حالانکہ استاد کے فرمانے کا مطلب یہ تھا کہ ماں یعقوب کو چھوٹا آدمی بنانا چاہتی تھی اور وہ بڑا آدمی بننا چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ ہزاروں ہزار رحمتیں نازل فرمائے استاد مرحوم پر، مادی اعتبار سے بھی ان کی پیشین گوئی سچی ثابت ہوئی۔

یا امیر المومنین! میں اس وقت استاد مرحوم ہی کو یاد کر کے رو دیا۔ الحمد للہ کہ اللہ نے ایک ناچیز بندے کو علم دین کی بدولت یہ مرتبہ دیا۔ امید ہے کہ اللہ قیامت کے دن بھی مجھے سرخرو فرمائے گا، اور یہی میری اس سے دعا ہے۔

امام ابو یوسفؒ آپ بیتی سنا کر خاموش ہو گئے۔ خلیفہ ہارون الرشید یہ آپ بیتی سن کر بہت متاثر ہوا۔ بولا "خدا کی قسم! علم دونوں جہاں کی عزت ہے۔"

طلب علم

امام شافعیؒ کی آپ بیتی

امام شافعیؒ ہمارے ان چار اماموں میں سے ایک ہیں، جنہوں نے فقہ کے مسائل ترتیب دے کر مسلمانوں پر عظیم احسان کیا۔ انہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ ذیل آپ بیتی ان کے شاگرد ربیع بن سلیمانؒ کی کتاب ''ثمرات الاوراق'' سے لی گئی ہے اور صرف وہ مختصر سا حصہ اس مجموعہ میں شامل کیا ہے جو طلب علم سے متعلق ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''میری عمر ۱۴ سال کی تھی ابھی داڑھی مونچھ کا نام ونشان تک نہ تھا صرف دو یمنی چادریں جسم پر تھیں اس حال میں مکہ سے میں نے سفر کیا۔ جب مقام ''ذی طویٰ'' پہنچا تو ایک پڑاؤ یا سرائے نظر آئی، میں نے ایک بزرگ صورت شخص سے ملاقات کی۔ بڑے میاں نے میری طرف توجہ کی۔ میری طرف بڑھے، بڑی خوشامد ولجاجت سے کہا ''خدا کے لیے میرے ساتھ کھانا کھانا۔ میں نے خوشی خوشی منظور کرلیا۔ وہ صاحب پانچوں انگلیوں سے کھانا کھا رہے تھے، میں نے بھی ایسا ہی کیا تا کہ میرے اپنے طریق سے کھانے میں انہیں کچھ رکاوٹ اور تکلف نہ محسوس ہو۔ کھا پی کر خدا کر شکر ادا کیا (دعا پڑھی) اور ساتھ ہی میز بان کا شکر ادا کیا۔ (حدیث ہے: **من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ**۔ جس نے انسان کا شکر نہ کیا اس نے خدا کا بھی شکر نہ کیا) میز بان بڑے میاں نے دریافت کیا کہ '' کیا تم مکہ کے باشندہ ہو؟'' میں نے کہا ''ہاں۔'' پھر دریافت کیا ''قریشی ہو؟'' میں نے جواب دیا ''جی ہاں، قریشی ہوں۔'' آخر میں نے سوال کر دیا کہ آپ نے کس طرح معلوم کرلیا کہ مکی اور قریشی ہوں؟ جواب دیا ''شہری ہونا تو لباس سے معلوم ہو رہا ہے۔ اور تمہارے

کھانے کے ڈھنگ سے قریشی ہونا معلوم ہوگیا۔ کیونکہ قریشی کھانے میں بے تکلف ہوتے ہیں، دوسروں کو بھی دل کھول کر کھلانے سے خوش ہوتے ہیں۔'' اس کے بعد میں نے دریافت کیا'' آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟'' جواب دیا رسول اللہ کے شہر یثرب (مدینے) کا باشندہ ہوں۔ اس پر میں نے اپنے مطلب کا سوال کیا۔'' کیا مدینہ میں کتاب اللہ کا عالم اور سنت رسول اللہ کا واقف (فتویٰ دینے والا) کوئی ہے؟'' بولے'' بنو اصبح قبیلہ کے سردار مالک بن انس (امام مالکؒ) عالم مفتی دین ہیں۔'' میری زبان سے بے ساختہ نکلا'' آہ! خدا ہی جانتا ہے کہ امام مالکؒ سے ملنے کا مجھے کس قدر شوق ہے۔'' بزرگ نے کہا'' خوش ہو جاؤ خدا نے تمہارا شوق پورا کر دیا۔ دیکھو یہ بھورا اونٹ سفر میں تمہارے استعمال میں رہے گا۔ ہم سب ہی جا رہے ہیں، راستہ اچھا گزرے گا، ہم تمہارا پوری طرح خیال رکھیں گے کوئی تکلیف نہیں ہوگی اور مدینہ میں امام مالکؒ تک پہنچا دیں گے۔'' روانگی کے وقت تمام اونٹ قطار میں کھڑے ہو گئے اور مجھے اسی بھورے اونٹ پر سوار کیا گیا۔ سفر شروع ہوا اور میں نے رات دن قرآن مجید کی تلاوت (حفظ) شروع کر دی۔''

امام مالکؒ کا دیدار

نماز عصر کے وقت آٹھویں دن مدینہ منورہ میں داخل ہوا، مسجد نبوی میں نماز پڑھی، مزار اقدس صلے اللہ علیہ وسلم پر حاضری مسنونہ دی، اسی مسجد میں امام مالک کا دیدار نصیب ہوا۔ وہ ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے اور ایک بطور تہبند باندھ رکھی تھی، اور بلند آواز سے حدیث روایت کر رہے تھے (پڑھا رہے تھے) کہ مجھ سے ابن عمرؓ کے واسطہ سے نافع نے اس قبر کے مکین سے روایت کیا، یہ کہہ کر روضہ مبارک کی طرف زور سے ہاتھ پھیلا دیا (یعنی اس روضہ والے صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث وفرمان ہے)۔ یہ نظارہ اور طرز دیکھ کر امام مالکؒ کی مجھ پر کچھ ہیبت اور عظمت چھا گئی (سمجھ گیا کہ یہی امام مالکؒ ہیں) پھر حلقۂ درس میں جہاں جگہ ملی میں وہیں بیٹھ گیا۔

تحصیل علم وحافظہ

امام مالکؒ حدیث روایت کرنے لگے تو میں نے ایک تنکا اٹھا کر لعاب دہن (تھوک) میں تر کر کے اپنی ہتھیلی پر لکھنا شروع کر دیا۔ استاد (امام مالکؒ) دیکھ رہے تھے مگر مجھے احساس تک نہ ہوا۔ جب سلسلۂ درس وتدریس ختم ہوا، مجلس برخاست ہوئی تو امام مالکؒ مجھے دیکھتے رہے کہ

سب کی طرح اٹھتا ہوں یا نہیں۔ مگر میں نہ اٹھا اور جگہ نہ چھوڑی تب امام مالکؒ نے اشارہ سے مجھے اپنے قریب بلایا کچھ دیر غور سے دیکھتے رہے، پھر سوال کیا ''تم حرم کے رہنے والے ہو؟'' میں نے کہا ''جی ہاں۔'' فرمایا ''مکی ہو؟'' عرض کیا ''جی ہاں!'' پھر دریافت کیا ''قریشی ہو؟'' میں نے کہا ''جی میں قریشی ہوں۔'' آخر فرمانے لگے ''سارے اوصاف پورے ہیں مگر تم میں ایک بے ادبی بھی ہے۔'' میں نے عرض کیا ''جناب نے کیا بے ادبی دیکھی؟'' فرمایا ''میں سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات طیبات فرامین رسول (حدیث) سنا رہا تھا اور تم تنکا لے کر اپنے ہاتھ پر کھیل سا کر رہے تھے۔ میں نے عرض کیا ''جناب میرے پاس کاغذ وغیرہ تو نہیں تھا۔ اس لیے آپ سے جو سنتا وہ لکھتا رہتا تھا، یہ سن کر امام مالکؒ نے میرا ہاتھ کھینچ کر دیکھا۔ پھر فرمایا کہ ''ہاتھ پر تو ایک حرف بھی لکھا ہوا نہیں ہے'' میں نے جواب میں عرض کیا ''ہاتھ پر لعاب یا اس کا اثر باقی نہیں رہا کرتا، مگر جتنی حدیثیں میں نے آپ سے سنی ہیں سب پکی یاد ہیں'' امام مالک کو یہ سن کر بہت تعجب ہوا، فرمایا ''خیر سب تو نہیں ایک ہی حدیث سنادو۔'' میں نے فوراً کہا ''ہم سے مالک نے نافعؒ اور ابن عمرؓ کے واسطے سے اس قبر کے مکین سے روایت کیا ہے'' پھر میں نے اپنے استاد امام مالکؒ کی طرح ہاتھ دراز کر کے قبر شریف کی طرف اشارہ کیا پھر پوری پچیس حدیثیں سنادیں۔

سورج ڈوب چکا تھا نماز سے فارغ ہونے کے بعد استاد نے اپنے خادم (غلام) سے فرمایا کہ اپنے آقا (امام شافعیؒ) کو گھر لے جا، پھر مجھ سے فرمایا کہ غلام کے ساتھ گھر جاؤ۔ میں بخوشی اٹھ کر ساتھ چل دیا اور میں نے ساتھ ہی کہا کہ جناب! جو کچھ بھی مہربانی فرمائیں قبول ہے۔ گھر پہنچنے پر غلام ایک کوٹھری میں لے گیا۔ پھر بتایا کہ یہ رخ قبلہ کا ہے، اور یہ پانی رکھا ہے اور یہ بیت الخلا ہے۔

کچھ ہی دیر بعد خود امام مالکؒ تشریف لائے۔ وہ غلام بھی ساتھ تھا جس کے ہاتھ پر ایک خوان تھا، امام مالک نے خوان لے کر فرش پر رکھ دیا پھر مجھے قریب آ کر سلام کیا اور غلام سے ہاتھ دھلانے کے لیے کہا۔ غلام پانی کا برتن لے کر میری طرف بڑھا تو امام مالکؒ نے روکا اور ٹوکا کہ پہلے میزبان کو ہاتھ دھونا چاہیے اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد پہلے مہمان کو دھونا چاہیے۔ مجھے استاد کی یہ بات اچھی لگی میں نے وجہ دریافت کی فرمایا ''میزبان چونکہ کھانے پر بلاتا

ہے اس لیے ہاتھ بھی پہلے میزبان کو دھونا چاہیے اور کھانے کے بعد اخیر میں اس لیے کہ شاید کوئی مہمان آجائے تو کھانے میں میزبان بھی کچھ ساتھ دے سکے۔"

اس کے بعد صاحب خانہ (امام مالکؒ) نے خوان (کھانا) کھولا جس میں دو برتن تھے۔ ایک میں دودھ، دوسرے میں کھجوریں ہم دونوں نے بسم اللہ کر کے کھانا شروع کیا اور سب ختم ہو گیا۔ امام مالکؒ کو اندازہ تھا کہ مقدار میں کھانا دو کے لیے ناکافی ہے تو فرمایا "ابو عبداللہ! ایک مفلس فقیر اور نادار دوسرے فقیر کے لیے جو کچھ پیش کر سکتا تھا وہ اسی قدر تھا۔" میں نے عرض کیا۔ "جناب! وہ معذرت کیوں کرے جس شخص نے احسان کیا ہے، معذرت تو قصوروار کو کرنی ہوتی ہے۔"

کھانے سے فارغ ہو کر امام مالکؒ نے مکہ اور اہل مکہ کے حالات دریافت کیے، کچھ دیر اسی قسم کی باتیں کیں پھر اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ "رات کافی ہوگئی ہے مسافر کو لیٹ کر آرام کرنا اور تھکن کم کرنی چاہیے۔"

میں تھکا ہوا تو تھا ہی لیٹا اور خوب سویا۔ آخیر رات میں دروازہ پر دستک ہوئی اور آواز آئی کہ "نماز کا وقت ہے تم پر خدا کی رحمت ہو۔" میں جاگا اور اٹھ بیٹھا۔ دیکھا خود امام مالکؒ لوٹا لیے کھڑے ہیں دیکھ کر شرم محسوس ہوئی، اس پر وہ فرمانے لگے "ابو عبداللہ! کچھ خیال نہ کرو، خدمت کرنا میزبان کا فرض ہے۔" میں نماز کے لیے تیار ہو گیا اور ساتھ ہی جا کر مسجد نبویؐ میں باجماعت نماز ادا کی، اندھیرا اتنا تھا کہ کوئی کسی کو نہ پہچان سکتا تھا، نماز کے بعد سب اپنی اپنی جگہ ذکر و تسبیح میں مصروف رہے جب پہاڑیوں پر دھوپ پڑی، روشنی ہوئی تو امام صاحب کل والی جگہ پر تدریس کے لیے بیٹھ گئے اور اپنی کتاب موطا میرے ہاتھ میں دے دی۔ میں نے سنانا شروع کیا اور دوسروں نے لکھنا شروع کیا۔

میں امام مالکؒ کی خدمت میں آٹھ مہینے رہا اور اس طرح رہا کہ ان کے گھر کا ایک فرد سمجھا جانے لگا۔ میں نے اس عرصے میں امام مالکؒ کی کتاب مؤطا زبانی یاد کر لی۔

اس کے بعد عراق والے حجاج آئے، روضہ مبارک کی زیارت کی، اس مجمع میں ایک نوجوان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک اور منبر کے درمیان نظر آیا جو خوش پوش تھا اور نماز میں مصروف کہ بہت اچھی طرح اطمینان سے پڑھ رہا تھا۔ میں دیکھ کر خوش ہوا اور ملنے کی خواہش ہوئی میں نے نام، پھر وطن دریافت کیا۔ کہا "میرا وطن عراق ہے۔" اس پر میں نے پوچھا کونسا

عراق؟'' جواب دیا ''کوفہ۔'' میں نے دریافت کیا کہ ''کوفہ میں کتاب اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم اور مفتی کون ہے؟'' بتایا امام ابو یوسفؒ اور امام محمد بن حسنؒ (امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد)۔'' پھر میں نے مطلب کی بات کی، ''تم وطن کب واپس ہو گے؟'' جواب دیا ''کل سویرے۔''

یہ معلوم کر کے میں نے اپنے شفیق استاد امام مالکؒ کے پاس آ کر عرض کیا کہ میں علم حاصل کرنے کے لیے مکہ سے چلا ہوں، بوڑھی ماں گھر ہے اتنی اجازت بھی نہیں لی۔ فرمائیے کہ واپس چلا جاؤں یا علم کی طلب و جستجو میں اور آگے بڑھوں؟ فرمایا، ''علم کے فائدے لامتناہی ہیں، کبھی ختم نہیں ہوتے اور تم کو یہ معلوم ہے کہ علم دین تلاش کرنے والے طالب علم کے لیے فرشتے پر پھیلا دیتے ہیں۔''

یہ سن کر ہمت بندھی اور میں نے ''کوفہ'' کے قافلہ کے ساتھ سفر کا پکا ارادہ کر لیا۔ میرے شفیق استاد نے راستہ کے کھانے کا بندوبست کر دیا اور پھر الوداع کرنے صبح سویرے ''بقیع'' تک تشریف لائے اور بہ آواز بلند کہنے لگے کوفہ کے لیے کوئی کرایہ پر اونٹ دیتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تعجب کر کے کہنے لگے۔ حضرت! یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ نہ آپ کے پاس دینے کو کچھ ہے اور میرے پاس بھی نہیں۔ استاد امام مالکؒ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ مسبب الاسباب ہے۔ رات، نماز عشاء کے بعد جب تم میرے پاس سے چلے گئے تھے تو کسی نے دروازہ پر دستک دی، میں باہر آیا تو عبدالرحمٰن بن قاسم کھڑے تھے، ہدیہ لائے تھے اور بہت منت سماجت کر رہے تھے کہ یہ ہدیہ قبول کر لیں، ایک تھیلی مجھے دی، میں نے کھول کر دیکھا سو دینار تھے، پچاس میں نے اہل و عیال کے خرچ کے لیے رکھ لیے اور یہ پچاس تمہارے واسطے ہیں۔ اونٹ والے کو کرایہ کے چار دینار دیے، چوبیس دن سفر کر کے قافلہ کوفہ پہنچا اور میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے جا کر ملا۔ امام محمدؒ نے دریافت کیا کہ عرب کی اولاد ہو یا عجم کی؟ میں نے کہا عرب ہوں، بولے کون عرب ہو؟ جواب دیا۔ مطلب کی اولاد سے ہوں، پھر سوال کیا مطلب کی کس اولاد سے؟ میں نے شافع کا نام لیا (جن کی طرف نسبت سے شافعی کہلاتے ہیں)۔ تب دریافت کیا تم نے مالکؒ کو دیکھا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں، ان ہی کے پاس سے آ رہا ہوں تو بولے ''موطا'' دیکھی ہے؟ میں نے کہا میں موطا تو حفظ بھی کر چکا ہوں۔

امام محمدؒ کو یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوئی۔ یقین نہ آیا (بطور آزمائش) اسی وقت لکھنے کا سامان منگایا اور ابواب فقہ کا ایک ایک مسئلہ لکھا اور دو......... کے درمیان جواب کے لیے کافی جگہ خالی رکھی اور کاغذ میری طرف بڑھا کر جواب لکھنے کو کہا۔ میں نے کتاب اللہ، سنت رسول اللہؐ اور اجماع امت کے مطابق سب مسئلوں کا جواب لکھ کر کاغذ واپس ان کے سامنے رکھ دیا، بغور پڑھ کر بہت متاثر ہوئے، فوراً اپنے غلام کو حکم دیا کہ جناب کو گھر لے جاؤ۔

پھر امام محمدؒ نے مجھ سے کہا کہ آپ غلام کے ساتھ جائیں، میں بلا تامل کھڑا ہو گیا۔ مسجد کے دروازے پر پہنچا تو غلام بولا، مالک کا حکم ہے کہ آپ کو ان کے گھر تک سواری پر لے جاؤں، میں نے کہا اچھا سواری لاؤ۔ غلام فوراً نفیس سامان سے آراستہ خچر لایا اور میرے سامنے کھڑا کر دیا۔ میں سوار تو ہو گیا مگر خچر کی سجاوٹ اور اپنے لباس کو دیکھ کر شرم آتی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ کو جتنا منظور تھا میں نے امام صاحب سے علم حاصل کر لیا۔

توفیق الٰہی

علامہ ابن جوزیؒ کی آپ بیتی

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ ۵۰۸ھ میں پیدا ہوئے۔ آبائی وطن بغداد تھا۔ ابھی یہ بچہ ہی تھے کہ باپ کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت بغداد میں بڑے بڑے علماء اور صلحاء اور فقیہ موجود تھے، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا طوطی بول رہا تھا۔ مشہور محدث ابن ناصر کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا جب علامہ ابن جوزی چھ برس کے ہوئے تو ان کی والدہ صاحبہ نے انہیں محدث ابن ناصر کے مکتب میں پہنچا دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم تھا کہ وہ بچپن ہی سے علم کے شوقین تھے اور برے کاموں سے ان کو نفرت تھی۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے حلقے میں شامل ہوگئے۔ اور پھر انھوں نے اللہ کے دین کی وہ خدمت انجام دی جس سے ان کو اس دنیا میں بھی بڑی عزت ملی، اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی انہیں سرخرو کرے گا جہاں سب کے لیے جانا ضروری ہے، اور جہاں ہر ایک کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ یعنی آخرت میں۔ یہ بات ہم نے اس امید پر کہی کہ علامہ ابن جوزیؒ کے ہاتھ پر بیس ہزار یہودی اور عیسائی مسلمان ہوئے۔ اور ایک لاکھ مسلمانوں نے برے کاموں سے توبہ کی۔ علامہ ابن جوزی کے حالات بڑے دلچسپ اور نصیحت آمیز ہیں، لیکن نیچے ہم علامہ صاحب کے صرف وہ حالات نقل کر رہے ہیں جن کا تعلق اللہ کی توفیق اور علامہ صاحب کی ذاتی محنت سے ہے، اور وہ بھی وہ جن کے ذریعہ ان کی آئندہ زندگی کے لیے راہیں کھل گئیں، یہ تمام واقعات تاریخ دعوت وعزیمت سے اخذ کیے گئے ہیں۔ (مرتب)

علامہ موصوف اپنے صاحبزادے سے اپنے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مجھے خوب یاد ہے کہ میں چھ سال کی عمر میں مکتب میں داخل ہوا۔ بڑی عمر کے طلبہ

میرے ساتھ پڑھتے تھے، مجھے یاد نہیں کہ میں کبھی راستے میں بچوں کے ساتھ کھیلا ہوں، یا زور سے ہنسا ہوں، سات برس کی عمر میں جامع مسجد کے سامنے والے میدان میں چلا جایا کرتا تھا، وہاں کسی مداری یا شعبدہ باز کے حلقے میں کھڑے ہو کر تماشا دیکھنے کے بجائے کسی محدث کے درس حدیث میں شریک ہوتا۔ وہ حدیث اور سیرت کی جو بات کہتا، وہ مجھے زبانی یاد ہو جاتی۔ پھر جب میں گھر جاتا تو اسے لکھ لیتا، دوسرے لڑکے دریائے دجلہ کے کنارے کھیلا کرتے تھے، اور میں کسی کتاب کا کوئی جزو لے کر سب سے الگ تھلگ بیٹھ جاتا اور اس کا مطالعہ کرنے لگتا۔

میں استادوں اور بزرگوں کے حلقوں میں جانے کے لیے اتنی جلدی کرتا تھا کہ کبھی کبھی جب دیر ہو جاتی تو میں تیز دوڑ کر جاتا۔ اتنا تیز کہ میری سانس پھولنے لگتی، میری صبح اور میری شام اس طرح گزرتی کہ میرے کھانے کا کوئی انتظام نہیں ہوتا تھا، پھر بھی اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے مخلوق کی احسان مندی سے بچالیا۔"

اپنی ایک کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

"میں اپنا حال عرض کرتا ہوں، میری طبیعت کتابوں کے مطالعہ سے کسی طرح سیر نہیں ہوتی۔ جب کوئی نئی کتاب نظر پڑ جاتی تو ایسا معلوم ہوتا کہ جیسے کوئی دفینہ ہاتھ آ گیا۔ اگر میں کہوں کہ میں نے بیس ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا ہے، تو بہت زیادہ معلوم ہوگا اور یہ طالب علمی کا ذکر ہے۔ مجھے ان کتابوں سے بزرگوں کے حالات و اخلاق، ان کی بلند ہمتی، قوت حافظہ، ذوق عبادت اور دوسری باتوں کا ایسا اندازہ ہوا جو ان کتابوں کے مطالعہ کے بغیر نہیں ہو سکتا تھا۔"

ایک جگہ اور لکھتے ہیں:

"مجھے بچپن ہی سے تنہائی پسند تھی۔ جب میں تنہا ہوتا تو نفلیں پڑھتا۔ روزے رکھنے کا بھی مجھے بڑا شوق تھا، اس وقت میرے دل کی حالت بہت اچھی تھی، اگر ذرا بھی بھول چوک اور اللہ کی نافرمانی ہو جاتی تو بڑا افسوس ہوتا۔ زندگی کی ایک ایک گھڑی کو غنیمت سمجھتا تھا۔ زیادہ اچھے اور اللہ کی رضا کے کام کرنے میں جی لگا رہتا۔ اللہ سے مجھے وہ لگاؤ ہو گیا تھا کہ مجھے دعا میں لذت اور مٹھاس محسوس ہوتی۔

اس کے بعد ایسا ہوا کہ میری تقریروں اور وعظوں سے سلطنت کے اہل کار اور حکام متاثر ہوئے، اور انہوں نے مجھے اپنی طرف مائل کیا اور میں ان کی طرف کسی قدر جھک بھی گیا، ان

لوگوں کے میل جول کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے جو لطف دعا اور عبادت میں آتا تھا اس میں کمی محسوس کرنے لگا اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں نے حکومت کے حکام کے ساتھ رہ کر کوئی ایسا کام کیا جس سے اللہ کی ناخوشی کا اندیشہ ہوتا، میں ان کے ساتھ رہ کر بھی مشتبہ چیزوں سے بچتا تھا، لیکن میرے اندر ایک کمزوری پیدا ہوگئی تھی، وہ یہ کہ پھر دھیرے دھیرے تاویل کا دروازہ کھل گیا، دین میں گنجائشیں تلاش کرنے لگا، اور میں نے مباحات میں آزادی سے کام بھی لیا، عزیمت کی راہ سے کسی قدر ہٹ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ساری کیفیت جاتی رہی جو پہلے تھی۔ میں جتنا ہی ان حاکموں سے ملتا اور ان کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا، میرے دل کی سیاہی اسی قدر بڑھتی جاتی، یہاں تک کہ میں نے محسوس کیا کہ جیسے وہ روشنی بجھ گئی اور دل سیاہ ہوگیا۔ اس صورت حال سے میرے دل میں ایک بے چینی پیدا ہوئی۔ اس بے چینی کا اثر میری تقریروں اور وعظ کی محفلوں پر پڑا، اب میری تقریروں کے سننے والے بے چین رہنے لگے۔ انہوں نے توبے چین ہو کر توبہ واستغفار سے پھر اللہ کی توفیق کو اپنا لیا، لیکن میں خالی ہاتھ رہ گیا۔ یہ دیکھ کر میں بہت پریشان ہوا، لیکن کوئی علاج سمجھ میں نہ آیا، اللہ کا شکر ہے کہ پھر میں قبرستان جانے لگا (قبرستان پہنچ کر بڑے بڑوں کا عبرت ناک انجام میری نظروں کے سامنے آگیا۔ قبروں کو دیکھتا تو میری زبان سے نکلتا کہ ''زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے؟'' اور یہ کہ یہیں ایک دن مجھے بھی آنا ہے، اور یہی سب کا انجام ہونا ہے، اور یہاں آنے کے بعد سب ساتھ چھوڑ دیں گے، اور صرف اپنے اعمال ہی ساتھ رہ جائیں گے)

جب میں نے اس طرح سوچنا شروع کیا تو اللہ نے مجھ پر پھر مہربانی فرمائی، میں حکومت کے لوگوں سے الگ ہوگیا، الحمد للہ کہ میرا وہ دل جو بے قابو ہو رہا پھر قابو میں آگیا۔ اہل حکومت کی دوستی کا عیب میں نے سمجھ لیا، اور پھر میں نے اپنے مہربان آقا (خدا) کا دل کھول کر شکر ادا کیا۔''

اپنی کتابوں میں ایک جگہ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ تحریر فرمایا ہے، اس سے وہ بہت متاثر ہوئے۔ واقعہ یوں ہے:

''ایک بار ایک تاجر چنگی کی چوکی سے گزرا۔ چنگی والے نے اسے روکا اور سامان ضبط کر لیا۔ وہ تاجر اپنے زمانے کے مشہور مرد صالح حضرت مالک بن دینارؒ کے پاس گیا اور ان سے حال کہا۔ مالک بن دینار چنگی والے کے پاس گئے اور اس تاجر کی سفارش کی۔ منشی نے ان بزرگ کی تعظیم کی اور کہا۔ ''آپ نے کیوں زحمت فرمائی؟ صرف کہلوا دیا ہوتا۔'' یہ کہہ کر ان سے دعا کی

درخواست کی۔ حضرت مالک بن دینارؒ نے اس برتن کی طرف اشارہ کر کے جس میں چنگی کا ناجائز روپیہ وصول کر کے رکھتا تھا فرمایا کہ ''اس برتن سے کہو، وہ تمہارے لیے دعا کرے۔'' پھر فرمایا کہ ''میں تمہارے لیے کیا دعا کروں جبکہ ہزاروں آدمی تمہارے لیے بددعا کرتے ہیں؟ کیا ایک آدمی کی سن لی جائے گی؟ اور ہزاروں کی نہ سنی جائے گی؟''

منی کی موت

حضرت مالک بن دینارؒ کی آپ بیتی

''منّی کی موت'' کے عنوان سے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کی یہ آپ بیتی میں نے بچوں کے لیے لکھی تھی پھر جب زیر نظر کتاب ''بڑوں کی آپ بیتیاں'' کو ترتیب دینے کا وقت آیا تو سوچا کہ اس آپ بیتی کا بچکانہ انداز نکال دیا جائے اس خیال سے دوبارہ پڑھنا شروع کیا تو رائے یہ بنی کہ نہیں، اسے جوں کا توں مجموعہ ہذا میں شامل کر دینا چاہیے، چنانچہ ''منّی کی موت'' ہی کے عنوان سے یہ آپ بیتی اپنے ایک مخصوص مرحلے کے ساتھ اس کتاب میں پڑھیے:

ہمارے ایک چچا میاں ہیں مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔ اچھا لگنے سے آپ یہ نہ سمجھیں کہ وہ بڑے خوبصورت ہیں یا وہ بڑے مالدار ہیں یا وہ بڑے اچھے کپڑے پہنتے ہیں، نہیں بھائی! ایسی بات نہیں، وہ مجھے اچھے اس لیے لگتے ہیں کہ وہ ہم سے بڑی اچھی طرح ملتے ہیں، بڑی اچھی اچھی اور پیاری پیاری باتیں کرتے ہیں۔ ان میں ایک بات تو بہت ہی اچھی ہے۔ وہ جو اچھی بات کہیں پڑھتے یا سنتے یا دیکھتے ہیں، جھٹ اس کی کہانی بنا لیتے ہیں، پھر خود ہی آ کر ہمیں بلاتے ہیں۔

''ارے بھئی چلو شوکت میاں، حامد میاں کو بلاؤ، صفو کو بلاؤ، احمدی کو پکارو، بڑی اچھی کہانی سناؤں گا۔''

چچا میاں جب اس طرح پکارتے ہیں تو میری امی جان، میرے ابا جان اور گھر کے سبھی لوگ خوش ہو جاتے ہیں، اور کہانی سننے کے شوق میں یہ بڑے بھی بچوں میں گھس کر بیٹھ جاتے ہیں اور پھر اس طرح کان لگا کر سنتے ہیں، جیسے یہ سب بھی ہماری طرح بچے ہی ہیں۔

ہمارے چچا میاں ایسے قابل آدمی ہیں کہ کوئی کیسی ہی بات ہو اسے اس طرح کہتے ہیں

کہ اس سے ہمیں ایک نہ ایک اسلامی بات ضرور معلوم ہو جاتی ہے۔ آپ پوچھیں گے کہ بھئی وہ کیسے؟ تو اس کا جواب ابھی کچھ دنوں پہلے کی بات ہے، سنیئے آپ بھی۔

ہمارے محلے میں ایک نہایت خوبصورت اور بھولی بھالی چھوٹی سی بچی تھی۔ سب اسے منّی مریم کہتے تھے۔ وہ چار سال کی تھی۔ وہ کبھی کبھی ہمارے یہاں آتی تھی۔ کہانی سننے بیٹھ جاتی تھی۔ چاہے سمجھے، چاہے نہ سمجھے، مگر سنتی بڑے شوق سے تھی، بڑی پیاری بچی تھی وہ۔

کچھ دن ہوئے منّی مریم اللہ کو پیاری ہوگئی، اللہ کو پیاری ہونے کا مطلب آپ سمجھے؟ جی ہاں، وہ مرگئی۔ اس کے مرنے سے سارے محلے میں اداسی چھا گئی۔ چھوٹے بڑے سب کو رنج ہوا۔ ہم بچوں کے بھی تو آنسو نکل آئے تھے اور بھئی میں تو چھپ کے روئی بھی تھی۔ اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ منی مریم کے ماں باپ کو کتنا دکھ ہوا ہوگا۔ ان بے چاروں نے منی کے غم میں کھانا پینا چھوڑ دیا۔ لوگ آ آ کر سمجھاتے۔ مگر انہیں رونے کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔

ہمارے ابا جان کو خبر ہوئی تو انھوں نے چچا میاں سے کہا: ’’تم جا کر سمجھاؤ تو امید ہے کہ مریم کے والدین کا غم ہلکا ہو جائے گا۔‘‘ چچا میاں جھٹ مریم کے گھر گئے اور پھر آئے تو مریم کے ابا ان کے ساتھ تھے۔ کچھ دیر کے بعد مریم کی امی اور ان کے گھر والے بھی آگئے اور سب نے ہمارے یہاں کھانا کھایا۔ اس کے بعد جیسے رہا کرتے اور کام کاج کیا کرتے تھے اسی طرح رہنے سہنے لگے۔

ایک دن ابا جان نے چچا میاں سے پوچھا کہ بھئی تم نے مریم کے والدین کو کس طرح سمجھایا کہ وہ تمہارا کہنا جھٹ مان گئے۔ تو چچا میاں نے بتایا کہ بھائی صاحب! میں نے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث پڑھ کر سنائی جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

’’جو نابالغ بچے اللہ میاں کو پیارے ہو جاتے ہیں وہ قیامت کے دن جنت کے دروازے پر مچل جائیں گے، اور اللہ میاں سے کہیں گے کہ ہم تو اپنے ابا اور امی کے ساتھ جنت مین جائیں گے اور اللہ میاں ان بچوں کی بات مان جائیں گے۔‘‘

بس جیسے ہی میں نے یہ حدیث سنائی تو مریم کے والدین نے رونا چیخنا بند کر دیا اور پھر سسکے بھی نہیں۔ اس کے بعد سمجھا کر کھانے کے لیے کہہ آیا۔ اور پھر آپ نے دیکھا کہ انہوں نے ہمارے ساتھ کھانا کھایا اور کیسے صبر کے ساتھ اٹھ کر گئے۔

چچا میاں نے ابا جان سے جب یہ بات کہی تو اس وقت میں بھی وہاں موجود تھی اور

شوکت میاں بھی تھے۔ہم دونوں کچھ نہ سمجھے۔شوکت میاں سے رہا نہ گیا انہوں نے چچا میاں سے ''نابالغ'' کے معنی پوچھے تو کہا'' اچھا سب بچوں کو بلاؤ'' نابالغ'' کے معنی بھی بتاؤں گا اور ایک بزرگ کی بڑی ہی نصیحت والی آپ بیتی بھی سناؤں گا۔''

ابا جان چھڑی لے کر کہیں باہر جانے والے تھے۔انہوں نے چھڑی رکھ دی اور کہا'' میں بھی سنوں گا اور دیکھو، خالدہ! جاؤ، اپنی امی کو بھی خبر کرو۔تمہارے چچا میاں کسی ولی اللہ کی آپ بیتی سنانے جارہے ہیں۔''

دیکھتے ہی دیکھتے ہم سب لوگ اکٹھا ہوگئے، چچا میاں ہماری طرف مڑے اور بولے:

''سنو بھائی! ایک شرابی تھا۔''

''اوئی اللہ! شرابی؟'' اچانک امی جان بولیں'' تم تو کسی ولی کا قصہ سنانے جارہے تھے، یہ شرابی کہاں سے آگیا۔''

''بھابی بیگم!'' چچا میاں نے کہا'' بھابی بیگم! وہ ولی اللہ پہلے شرابی ہی تھے۔''

''تو پھر ولی اللہ کیسے ہوگئے؟'' ہم سب چچا میاں کا منہ تکنے لگے، ابا جان نے کہا'' تم لوگ ذرا چپ ہو کر سنو، دیکھو، تمہارے چچا میاں کہتے کیا ہیں؟''

''اچھا!'' ہم سب چپکے رہے۔چچا میاں نے کہنا شروع کیا:

''اچھا بھئی، لو سنو، ہم پہلے ہی بتادیں۔ایک تھے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے ایک بڑے بزرگ ہوئے ہیں، یہی بزرگ پہلے شرابی تھے اس کے بعد توبہ کر کے بڑے نیک بن گئے۔''

ایک بار لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے شراب پینا کیسے چھوڑی؟ اس کے جواب میں حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح اپنی آپ بیتی سنائی:

''میری ایک بڑی پیاری بیٹی تھی، وہ نہایت خوبصورت بھی تھی اور بڑی بھولی بھی۔''

''چچا میاں کیا عمر تھی اس کی؟'' مجھ سے رہا نہ گیا۔اصل میں مجھے مریم یاد آگئی۔میرا خیال تھا کہ اتنی ہی بڑی ہوگئی۔چچا میاں نے جواب دیا کہ بیٹی سنے جاؤ، میں خود ساری باتیں کہوں گا، اچھا تو حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''میری وہ بیٹی تین چار سال کی تھی۔اس وقت میں فوج میں نوکر تھا اور شراب خوب پیتا

تھا، کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ میری پیاری بچی گود میں بیٹھی ہوتی اور میں گلاس میں شراب لے کر پینا چاہتا تو وہ گلاس میں ہاتھ مار دیتی اور شراب گر جاتی۔ وہ اپنی بھولی بھالی صورت بنا کر توتلی زبان میں کہتی ''ابا جان! امی کہتی ہیں کہ چھلاب تو حلام ہے۔ اچھے میں نچھا ہوتا ہے آپ مت پیجیے۔''

میری یہی پیاری بچی اچانک بیمار ہوئی اور دو تین دن کے اندر ہی اللہ کو پیاری ہوگئی۔ مجھے اس کے مرنے سے بڑا دکھ ہوا۔ اب میں اور زیادہ شراب پینے لگا۔ ہر وقت نشے میں رہنے لگا۔ نشے میں ہوتا تو مجھے اپنی بیٹی کا دکھ یاد نہ آتا۔ اسی لیے میں نے شراب پینے میں زیادتی کر دی۔

شعبان کی پندرھویں رات تھی۔ اس رات میں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ سے زیادہ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ میں نمازیں کیا پڑھتا، اس رات میں نے خوب ہی شراب پی۔ خوب ہی نشہ سوار ہوا۔ اسی نشے میں سو گیا۔ میں نے خواب دیکھا کہ قیامت آ گئی۔ لوگ اپنی اپنی قبروں سے زندہ ہو کر نکلنے لگے اور ایک طرف بھاگنے لگے۔ یہ سب گھبرائے ہوئے تھے میں بھی ان کے ساتھ بھاگنے لگا۔ مجھے اپنے پیچھے سرسراہٹ سی معلوم ہوئی۔ میں نے مڑ کر دیکھا ایک بڑا سا سانپ پھن پھیلائے میرا پیچھا کر رہا ہے۔ توبہ، بڑا ہی موٹا تھا وہ سانپ اور ایسا ڈراؤنا کہ دیکھتے ہی ہوش اڑ جائیں۔ سچ مچ میرے ہوش اڑ گئے۔ میں پھر گھبرا کر بھاگا۔ میں نے دیکھا کہ سامنے ایک بڑے میاں کھڑے ہیں۔ یہ بڑے میاں بڑے صاف ستھرے اور خوشبو سے بسے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ میں نے ان کو سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے ان سے کہا ''حضرت! مجھے اس سانپ سے بچایئے۔''

انھوں نے کہا'' بھئی، میں بوڑھا آدمی ہوں، میں کیسے بچا سکتا ہوں تم سیدھے بھاگے چلے جاؤ۔ شاید اللہ بچاؤ کی کوئی صورت پیدا کر دے۔''

میں پھر بھاگا۔ سامنے ایک ٹیلہ دکھائی دیا، میں ٹیلے پر چڑھ گیا۔ اور ٹیلے کے دوسری طرف جانا چاہا مگر دیکھا تو ادھر دوزخ کی آگ بھڑک رہی تھی، پیچھے دیکھا تو سانپ پھنکارتا ہوا پاس آ گیا تھا۔ سانپ کا ڈر ایسا چھایا کہ میں ٹیلے کے دوسری طرف اترنے لگا۔ دوزخ کی آگ کچھ ہی قدم رہ گئی تھی۔ اگر میں چار چھ قدم اور رکھتا تو دوزخ میں جا گرتا۔ اچانک کسی نے مجھے دھکا دے کر پیچھے ہٹا دیا اور پکارا:

''پیچھے ہٹ تو جہنمی نہیں ہے۔''

یہ سن کر میں ٹیلے پر دوسری طرف بھاگا، سامنے پھر وہی بڑے میاں ملے۔ میں نے ان سے پھر کہا کہ:

''خدا کے واسطے مجھے اژدہے سے بچائیے۔''

لیکن بڑے میاں نے پھر وہی جواب دیا کہ:

''بوڑھا اور کمزور ہوں، سانپ سے نہیں بچا سکتا مگر تم کو چاہیے کہ جتنا بھاگ سکو بھاگے جاؤ۔ شاید اللہ بچاؤ کی کوئی صورت نکال دے۔ اچھا، اس بار تم اس سامنے والے ٹیلے پر چلے جاؤ۔ شاید وہاں بچاؤ کی کوئی جگہ مل جائے۔''

میں بھاگ کر دوسرے ٹیلے پر چڑھ گیا۔ اژدہا، اب بھی پیچھے پڑا تھا۔ اس ٹیلے پر میں نے دیکھا کہ ایک گول پہاڑ ہے اس میں بہت سی کھڑکیاں ہیں۔ ان کھڑکیوں کے کواڑ سونے کے ہیں اور ان میں بڑے قیمتی ہیرے اور موتی جڑے ہوئے ہیں اس گول پہاڑ کو دیکھ کر میں اس طرف بھاگا۔ پاس پہنچا تو میں نے سنا اندر کوئی کہہ رہا تھا:

''کھڑکیاں کھول کر باہر نکل جاؤ۔ مصیبت میں پھنسا ہوا ایک آدمی آ رہا ہے جا کر اس کی مدد کرو۔''

اس آواز کے ساتھ کھڑکیوں کے کواڑ کھلے اور کھڑکیوں سے بڑے ہی پیارے پیارے، بڑے ہی خوبصورت اور بھولی بھولی صورت والے پھولوں جیسے بچے ہنستے بولتے اترنے لگے، اب اژدہا بالکل میرے پاس آ چکا تھا۔ قریب تھا کہ اژدہا مجھ کو اپنے منہ میں دبا لے کہ ان بچوں نے پکارا:

''دوڑو! اس غریب کو اژدہے سے بچاؤ!''

اس پکار کے بعد میں نے دیکھا کہ میری بچی کھڑکی پر سے کودی وہ مجھ کو دیکھتے ہی دوڑی۔ میرے پیارے ابا، میرے پیارے ابا کہہ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ میں نے اسے گود میں اٹھا لیا۔ اس نے اژدہے کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اژدہا بھاگ گیا۔ میں نے پوچھا:

''بیٹی! یہ اژدہا کیسا تھا؟''

''میری بچی نے بتایا کہ:

''وہ آپ کے برے کاموں کی ایک صورت تھی۔ آپ کے برے کام اژدہا بن کر آپ کو جہنم کی طرف بھگا رہے تھے۔''

میں نے پوچھا:

''اور بیٹی! وہ بڑے میاں کون تھے؟''

میری بچی نے بتایا کہ'' وہ آپ کے نیک کاموں کی صورت تھی مگر آپ نے اتنی برائیاں کی ہیں کہ آپ کے نیک کام دب گئے اور کمزور ہو گئے۔ کمزور ہونے سے وہ آپ کو اژدہے سے نہ بچا سکے۔ یہ بھی غنیمت ہوا کہ انہوں نے آپ کو ادھر کا راستہ بتا دیا۔

ابا جان! ابھی ابھی میں نے سنا کہ آپ جہنم کی طرف جا رہے ہیں تو میں دوڑی، اور مچل گئی کہ اگر میرے ابا جان جہنم میں گرے تو میں بھی جنت سے نکل جاؤں گی۔ ابا جان! آپ کو پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیاری حدیث یاد ہے کہ:

''جس کے نابالغ بچے اللہ کو پیارے ہو جائیں گے وہ اللہ سے اپنے ماں باپ کے لیے مچلیں گے اور اللہ میاں ان بچوں کی بات مان لیں گے۔''

تو بس میں مچل گئی۔ اللہ نے مجھے اجازت دی کہ جا کر اپنے باپ کو اژدہے سے بچاؤ۔ دیکھیے تو ابا جان! کیسی سچی بات فرمائی پیارے رسولؐ نے۔ آپ تو پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہیں؟ کیا ابھی تک آپ چونکے نہیں؟

میں اچانک چونک کر جاگ گیا۔ اب نہ وہ بچی میرے سامنے تھی اور نہ خواب مگر یہ خواب دیکھ کر میں نے توبہ کی اور پھر کبھی شراب نہیں پی، اس کے بعد میں نے قرآن پڑھا۔ حدیث پڑھی اور پھر اللہ اور اللہ کے حکموں پر عمل کرنے لگا۔ مجھے امید ہے کہ میری نابالغ بچی قیامت کے دن مجھے ضرور بخشوا لے گی۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کی آپ بیتی سنا کر چچا میاں چپ ہو گئے۔ ہم لوگوں نے ایک لمبی سانس لی اور ایک دوسرے کا منھ تکنے لگے۔

امی اور ابا جان، ہم سب کی طرف دیکھ رہے تھے اور اس طرح دیکھ رہے تھے کہ ہم کیا بتائیں۔ ہم نے سر جھکا لیا اور پھر ایسے چپ رہے کہ نابالغ کے معنی بھی نہ پوچھ سکے۔

اس طرح بات بات میں ہمارے چچا میاں کہانی ہی کہانی میں کبھی کسی بزرگ کا قصہ سناتے ہیں کبھی کوئی اور اچھی بات بتا دیتے ہیں، ان کی بتائی ہوئی کوئی بات ہمیں بھولتی نہیں۔

دو مرحلے

حضرت خبابؓ کی زندگی کے دو دور

مدینہ کا شہر ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ ہے، اسلامی حکومت کی وسعت عرب کے باہر روم اور ایران تک پہنچ چکی ہے، ملک پر ملک فتح ہوتے جا رہے ہیں مال غنیمت مدینہ میں آ رہا ہے اور مسلمان خوش ہو رہے ہیں۔ چاروں طرف اسلام کا بول بالا ہے۔

اسی زمانے کی بات ہے۔ ایک دن امیر المومنین حضرت عمرؓ تشریف فرما تھے، دوسرے اصحاب حاضر خدمت تھے۔ ان میں مہاجرینؓ بھی تھے اور انصارؓ بھی۔ اتنے میں حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں پاس بلا کر اپنے گدے پر بٹھالیا اور فرمایا:

"ان کے علاوہ صرف ایک شخص اور ہے جو اس گدے پر بیٹھنے کا حق دار ہے۔"

"وہ کون ہے؟ امیر المومنین!" حضرت خبابؓ نے پوچھا۔

"بلالؓ۔" امیر المومنین نے جواب دیا۔ یہ جواب سن کر حضرت خباب نے کہا:

"یا امیر المومنین! وہ میرے برابر حق دار کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ مشرکین مکہ میں دو ایک ان کے ہمدرد تھے۔ امیہ بن خلف جب ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑتا تو یہی ہمدرد اس سے تخفیف ستم کی سفارش کرتے تھے لیکن میرا پوچھنے والا اللہ کے سوا اور کوئی نہ تھا۔"

"اچھا تو سنائیے، اسلام کو سینے سے لگانے کے بعد آپ پر کیا بیتی"؟ حضرت عمر فاروقؓ پوچھ بیٹھے اور پاس بیٹھے ہوئے اصحابؓ متوجہ ہو گئے۔

اس سوال پر حضرت خبابؓ کی نظروں کے سامنے مکے کا وہ خونیں دور آ گیا جبکہ اسلام کا نام لینے والے کی زبان کاٹ دی جاتی تھی۔ اس دور کی یاد سے حضرت خبابؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ہونٹ کانپنے لگے۔ کچھ کہنا چاہتے تھے مگر زبان سے عرض حال نہ کر سکے۔ اپنے کرتے کا دامن اٹھایا اور پیٹھ کھول کر امیر المومنین کے سامنے کر دی گویا اس طرح بتایا کہ ''یہ لکھی ہے میری آپ بیتی، پڑھ لیجیے!'' تمام حضرات نے پیٹھ دیکھی۔ پیٹھ سراسر زخموں، چوٹوں، آبلوں اور چھالوں سے داغ داغ ہو رہی تھی، دیکھنے والوں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ حضرت عمرؓ نے روتے ہوئے کہا: ''یہ آپ کی پیٹھ ہے۔ خدا کی قسم! میں نے آج تک ایسی پیٹھ نہیں دیکھی۔''

''جی ہاں! امیر المومنین!'' اب حضرت خبابؓ بو سکے۔ ''خدا ہی بہتر جانتا ہے، نہ جانے کتنی بار ایمان بچانے کے لیے جان کی بازی لگانی پڑی۔ کفار مکہ مجھ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر چت لٹا کر چھاتی پر پتھر رکھ دیتے تھے تاکہ میں کروٹ نہ لے سکوں۔ یہ دہکتے ہوئے انگارے میرے جسم سے نکلی ہوئی چربی سے بجھتے تھے اور میرا ''جرم'' کیا تھا؟''

حضرت خبابؓ نے لمبی سانس لی۔ ایک لمحے رک کے پھر بولے ''میرا جرم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ میں نے اللہ کے رسولؐ کی حمایت میں شروع ہی سے اعلان کر دیا تھا۔ میں چھٹا مسلمان تھا کہ لوگوں نے مجھے تحریک اسلامی میں حصہ لیتے دیکھا۔ کفار مکہ نے مجھ کو بے کس دیکھ کر جس طرح چاہا ستایا۔ وہ تو خدا کا فضل تھا کہ سارے مصائب جھیل لے گیا۔'' یہ کہہ کر حضرت خبابؓ خاموش ہو گئے۔

''پھر کیا ہو؟'' ایک طرف سے کئی آوازیں آئیں، حضرت خبابؓ نے ادھر دیکھا، پھر کیا ہوا؟ میرے دوستو! تم جانتے ہو کہ پھر اللہ نے ہمیں ہجرت کا حکم دیا۔ ہم رسول اللہؐ کے ساتھ مدینے میں آئے، یہاں اسلامی ریاست کی بنیاد ڈالی گئی اور دیکھتے دیکھتے سارے عرب میں اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔ ملک فتح ہوئے۔ اسلام غالب آیا۔ ہمیں مال غنیمت ملا۔ ہم مالا مال ہو گئے۔ اور یہ کہہ کر حضرت خبابؓ بے اختیار رو پڑے۔

لوگ حیران ہو گئے کہ اب تو خوشی کا وقت آیا ہے۔ یہ رونا کیسا؟ پوچھا ''اے بزرگ صحابی! یہ رونے کا کیا مقام ہے۔ اب تو ہم پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔''

''بے شک اللہ کا فضل ہے۔'' حضرت خبابؓ نے آنسو پونچھ ڈالے اور رونے کا وہ

بھید بتایا جسے ایمان کی روح کہہ سکتے ہیں، فرمایا: ''آہ! حمزہؓ اور مصعبؓ شہید ہوئے تو انہیں پورا کفن بھی نہ مل سکا تھا۔ اجر کے مستحق تو وہ تھے، مجھے ڈر ہے کہ آج اس دنیا میں جو کچھ ہمیں مل رہا ہے وہ کہیں کل کی دنیا (آخرت) میں کم نہ ہو جائے۔ میرے لیے یہ فکر اور یہ مرحلہ اس مرحلے سے زیادہ سخت اور تشویش ناک ہے۔''

یہ سن کر محفل میں سناٹا چھا گیا۔ لوگ دیر تک سر جھکائے کسی فکر میں بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے۔ کاش کہ، یہی فکر ہم پر بھی چھائی رہے۔